سلسلۂ مطبوعات:۲۹

خطبات غازی پوری

یعنی

استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا محمد خالد صاحب ندوی
غازی پوری دامت برکاتہم
کے دار العلوم ندوۃ العلماء میں کئے گئے بیانات کا مجموعہ

مرتب

محمد انس قاضی ندوی

ناشر
الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور، بھٹکل، کاروار، کرناٹک
E-mail: hammadkarimi93@gmail.com
Mobile: +91-9889943219 = +91-9916799341

بارِ اوّل

۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰۲۰ء

نام کتاب	:	خطبات غازی ہوری
نام مصنف	:	محمد انس قاضی ندوی
صفحات	:	
تعداد اشاعت	:	گیارہ سو
قیمت	:	

ملنے کے پتے

(۱) دینی کتاب گھر، دیوبند 9897278268
(۲) مکتبۃ الشباب العلمیۃ، لکھنؤ 9198621671
(۳) مدرسہ قاسمیہ، بنی آباد، مظفر پور، بہار 9576649524
(۴) الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور، بھٹکل، کرناٹک، انڈیا 9889943219
(۵) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلما، لکھنؤ

ناشر
الاسلام اکیڈمی، مرڈیشور، بھٹکل، کاروار، کرناٹک
E-mail: hammadkarimi93@gmail.com
Mobile: +91-9889943219 = +91-9916799341

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	فہرست	
۲	مقدمہ	
۳	تقریظ	
۴	عرض ناشر	
۵	عرض مرتب	
۶	اللہ کی حمایت ونصرت کیونکر حاصل ہوگی؟	
۷	دین کا مذاق اڑانے والی مجلسوں سے دور رہنا چاہئے	
۸	دنیا کی زندگی	
۹	ہر عمل خدا کے یہاں لکھا جارہا ہے	
۱۰	مساجد روحانیت کے مراکز ہیں	
۱۱	انفاق فی سبیل اللہ	
۱۲	باطل کب غلبہ پاتا ہے؟	

۱۳	سنت کی تأثیر	
۱۴	نجات صرف اسلام ہی میں ہے	
۱۵	بھلائی کے کام کرنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے	
۱۶	سائنس شریعت کے تابع ہے	
۱۷	رسول اللہ ﷺ کی تین وصیتیں	
۱۸	اعمال کی قبولیت کے شرائط	
۱۹	ایمان کب مکمل ہوتا ہے؟	
۲۰	اصلاح، معاشرہ کیسے کیا جائے؟	
۲۱	قلبی سکون کیونکر مل سکتا ہے؟	
۲۲	کوئی بات بغیر تحقیق کے نہیں کہنی چاہئے	
۲۳	رمضان کی بہاریں	
۲۴	اصلاح کا کام اپنے گھر سے شروع کریں	
۲۵	تأثرات	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم، وخاتم النبیین ، سیدنا محمد بن عبد اللّٰہ الأمین وعلیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، وعلیٰ من تبعھم باحسان ، ودعا بدعوتھم الی یوم الدین ، وبعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿**وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین**﴾ (سورۃ ذاریات:۵۵) دین کی باتیں بتائی جاتی رہیں، اس سے اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچتا ہے اوران کا اسلوب تفہیم کا اور حکیمانہ ہوتو ان کا اثر پڑتا ہے، اگر چہ یہ ایک صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے اور داعی کو صبر و حکمت سے ہر موقع پر کام لینا پڑتا ہے، اس کی تعریف قرآن مجید میں کئی جگہ کی گئی ہے ،ایک جگہ اس کی تعریف اس طرح آئی ہے ﴿**ومن یؤت الحکمۃ فقد أوتی خیرًا کثیرًا**" (سورہ بقرہ:۲۶۹) اور ایک پوری سورہ میں اس خیر کے حصول کی طرف متوجہ کیا گیا ہے: ﴿**والعصر، ان الانسان لفی خسر، الا الذین آمنوا**

وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر﴾ زمانہ کی قسم انسان خسارہ میں ہے، ہاں وہ انسان خسارہ میں نہیں ہے جو ایمان والا ہو اور عملِ صالح رکھنے والا ہو اور حق کی تلقین اور صبر کی تلقین کرتا ہے۔

ہمارے علماء اور واعظین اپنے خطابات اور مواعظ کے ذریعہ اور مربینِ نفوس ملفوظات و مجالس کے ذریعہ یہ کام کرتے رہتے ہیں اور اس کا بڑا ذخیرہ محفوظ ہے، جہاں تک تقریروں اور خطبات کا تعلق ہے تو اس کے مجموعے بھی برابر سامنے آرہے ہیں۔

انہی مجموعوں میں پیشِ نظر خطبات کا مجموعہ عزیز گرامی مولانا محمد خالد غازی پوری (استاد حدیث وعلومِ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) کا بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کا بڑا سلیقہ اور مؤثر اسلوب عطا فرمایا ہے اور ایک مقبول خطیب کی حیثیت سے ان کی اچھی شہرت رہی ہے، مختلف موضوعات پر ان کی تقریریں اجتماعی وانفرادی زندگی کی اصلاح و تربیت کے لئے کی گئیں جواب ضبطِ تحریر میں لانے کے بعد پڑھی بھی جائیں گی۔ہم اس کو ایک مفید دینی عمل سمجھ کر زیادہ سے زیادہ افادہ کی امید رکھتے ہیں اور اس کی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے ہیں۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۱/صفر ۱۴۴۱ھ = ۲۱/۱/اکتوبر ۲۰۱۹ھ

تقریظ

حضرت مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری مدظلہ العالی

(استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پیش نظر تقاریر کا مجموعہ عزیزم مولوی محمد انس قاضی ندوی حفظہ اللہ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ترتیب دیا ہے، اس میں عام طور پر وہ تقریریں ہیں جو مختصر اور نافع ہیں، اور حالات و ماحول کے تناظر میں برجستہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی گئی ہیں، سالوں کا ذخیرہ زمانہ کی دست برد کی نذر ہو گیا، لیکن عزیزم محمد انس قاضی سلمہ کی کوششوں سے یہ سرمایہ محفوظ ہو گیا، ان کی اس کاوش پر انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزید علمی، فکری، تحقیقی اور روحانی خدمات میں نمایاں کارکردگی کی توفیق سے نوازے۔ عزیزم کے اندر یہ صلاحیت ہے، پروان چڑھانا ان کی اپنی کوشش اور توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔

یہ مختصر تقاریر کا مجموعہ مدارس کے طلباء کے لئے خاصہ کی چیز ہے، اس میں علمی چاشنی بھی ہے اور فکری بلندی کے ساتھ ادبی تذوق کا بھی وافر حصہ موجود ہے۔ امید کرتے ہیں حلقۂ اہلِ علم میں قبولیت حاصل ہوگی اور استفادہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

فقط خاکسار

محمد خالد ندوی

۲۰۱۹/۹/۲۴ء = ۱۴۴۱/۱/۲۴ھ

عرض ناشر

مولانا محمد حماد کریمی ندوی

(ناظم المعہد الاسلامی العربی و مدیر مجلّہ "النصیحۃ")

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، محمد وعلیٰ آله و صحبه أجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين أما بعد.

وراثتِ انبیاء کی جو ذمہ داری ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے بعد امت کے علماء پر ڈالی گئی ہر زمانہ میں اس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔

علماء نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے جن طریقوں کو اختیار کیا ان میں ایک اہم طریقہ تقریر و خطابت اور وعظ و نصیحت بھی ہے، مقررین تو بہت ہوتے ہیں لیکن ایسے مقررین بہت کم ہوتے ہیں جو نبض شناس اور زمانہ شناس ہوں، جو دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر اس کا علاج بھی فراہم کرتے ہوں جو کہ اس فن کا اصل مقصود و مطلوب ہے۔

صرف الفاظ کی کثرت، من گھڑت واقعات کے ذکر اور انداز کے زیر و بم سے سماعت کو لذت تو مل سکتی ہے لیکن کوئی مفید پیغام نہیں دیا جا سکتا۔

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی دامت برکاتہم کا شمار میدانِ خطابت کے شہسواروں میں ہوتا ہے، خطابت مولانا کی پہچان ہے اور مولانا خطابت کی شان ہیں، موقع و مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے اور متعین کردہ

وقت کا خیال کرتے ہوئے اپنی بات اس طرح کہ جان کی پیاس تو بجھ جائے لیکن سیرابی نہ ہو، یہ مولانا ہی کی امتیازی خصوصیت ہے۔

واقعات سے عبرت لینا، ہر واقعہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھنا، پھر اس کا حل پیش کرنا یہ مولانا کا وصفِ خاص ہے۔

برادرعزیز مولوی محمد انس قاضی ندوی قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طالبِ علمی کے زمانہ میں اپنے آپ کو مولانا سے جوڑے رکھا، خوب استفادہ کیا اور سوشل میڈیا کے ذریعہ مولانا کے خطبات وافادات کو نشر کرتے رہے، مولانا نے بھی ان پر اعتماد کیا اور ان کی خدمات کو سراہا، یہ برادر عزیز کے لئے سعادت کی بات ہے۔

اسی دوران انھوں نے مولانا کے متعدد خطبات کو یکجا کر کے ایک مجموعہ کی شکل میں تیار کیا ہے، جس کو الاسلام اکیڈمی مرڈیشور شائع کرنے کی سعادت پارہا ہے۔

واضح رہے کہ اس سے قبل مرتب موصوف کے برادر اکبر مولانا مفتی فضیل قاضی ندوی (نائب مہتمم مدرسہ تنویرالاسلام مرڈیشور) نے بھی حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی کی مدرسہ تنویرالاسلام مرڈیشور میں کی گئی ایک اہم تقریر بعنوان " موجودہ ملکی حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں "مرتب کیا تھا اور اکیڈمی ہی نے اسے شائع کیا تھا، اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس خدمت کا موقع دیا، نیز حضرت مولانا محمد خالد صاحب غازی پوری ندوی اور

برادرعزیزم مولوی محمد انس قاضی ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے ہمیں اس لائق سمجھا۔

نیز مرتب موصوف کے والد محترم جناب مولانا عبدالصمد صاحب قاضی ندوی بھی قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کے فرزندانِ گرامی قدر ہر میدان میں دین وملت کی خدمت کررہے ہیں، اللہ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ یہ سب مدرسہ تنویرالاسلام اور اس کے بانیان و متعلقین کا فیض ہے جو اب ظاہر ہورہا ہے، اللہ اس ادارے کو بھی تا قیامت پھلتا پھولتا رکھے، آمین۔

محمد حماد کریمی ندوی

ناظم المعہد الاسلامی العربی

نزیل حال: ایرناکلم، کیرلا

۲۳/صفر ۱۴۴۱ھ = ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۹ء

عرض مرتب

الحمد للہ الذی أنزل القرآن ،لھدایة جمیع الانسان، وعلمه البیان ، والصلوٰة والسلام علی سید الأنبیاء وخیر الأنام ، الذی قال عن تأثیر الخطاب والبیان: وان من البیان لسحرًا، وبعد !

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری نعمتوں سے نوازا ہے،جن کو شمار کرنا انسان کے بس کی بات نہیں،خود ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا**﴾ اللہ کی نعمتوں اور انعامات کا شمار کرنا یہ انسان کے بس سے باہر ہے،ان ہی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت اور عظیم دولت تقریر وخطابت اور پراثر وعظ ونصیحت بھی ہے،اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اس کی اہمیت مسلم رہی ہے اور رہے گی،سورہ رحمٰن کی آیت **علمه البیان** اور رسول ﷺ کی حدیث **وان من البیان لسحرا** میں بیان سے اکثر علماء،مفسرین اور شراحِ حدیث نے تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت مراد لیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حضرات کو یہ عظیم نعمت عطا فرمائی ہے اور جنھوں نے اس کو عظیم مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس عطا کردہ نعمت سے لوگوں میں اصلاح کا کام کیا ہے،ان میں سے ایک نام استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا محمد خالد صاحب ندوی غازی پوری دامت برکاتھم کا بھی ہے،اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو جو قوتِ گویائی اور فصاحتِ لسانی عطا فرمائی ہے اس کا ہر کوئی معترف ہے۔

اسی وجہ سے مولانا کی شخصیت ہند و بیرونِ ملک میں ایک معروف و مقبول اور پر جوش خطیب سے پہچانی جاتی ہے اور آپ کا شمار ہندوستان کے صفِ اول کے مقررین میں ہوتا ہے۔

پیشِ نظر کتاب میں مولانا موصوف کی ان تقاریر کو جمع کیا گیا ہے جو آپ نے خطبہء جمعہ سے قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں کی تھیں اور اسمیں بعض وہ تقاریر بھی ہیں جو آپ نے دوسال قبل مسجدِ دارالسلام تورونتو کینیڈا میں رمضان المبارک کے روحانی ماحول میں کی تھیں۔

بندہ کا جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پہلا سال تھا تو بندہ صرف مولانا ہی کے جمعہ بیانات کو ریکارڈ کر کے اپنے متعلقین تک پہونچایا کرتا تھا ،لیکن دوسرے سال (یعنی علیا ثانیہ میں) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جملہ جمعہ بیانات کو باقاعدہ پابندی کے ساتھ ریکارڈ کیا گیا اور "پیغامِ ندوہ" کے نام سے کئی واٹس ایپ گروپس بھی بنائے گئے ، جن میں ان بیانات کے ساتھ ساتھ مو؛لانا موصوف کے ملک بھر میں ہونے والے بیانات کو بھیجا جانے لگا ، پھر اس کو MESSEGE OF TRUTH نامی یوٹوب چینل پر اپلوڈ بھی کیا جانے لگا اور بحمد اللہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

مولانا موصوف کو جب اس کا علم ہوا تو مولانا نے خود بندہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان بیانات کو کتابی شکل دی جائے تا کہ طلبائے مدارس اور خطباء حضرات کو فائدہ ہو،تو مولانا کے اس حکم کی تعمیل میں یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں پیش ہے۔

اس موقع پر میں جانشین مفکر اسلام ، مرشد الامت ،حضرت اقدس، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتھم کا شکریہ ادا کرنا اپنے

اوپر ضروری سمجھتا ہوں کہ حض نے بہت ہی کم وقت میں اپنا قیمتی مقدمہ تحریر فرما کر ہمت افزائی فرمائی اور کتاب کی رونق کو دوبالا فرمایا، اسی کے ساتھ ساتھ مولانا خالد صاحب کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ انھوں نے نظرِ ثانی فرما کر کتاب کو شائع کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ **فجزاهما الله خيرًا كثيرًا ۔**

ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کام میں بندہ کو ہر طور پر ساتھ دیا، بالخصوص مولانا محمد سہیل صاحب لکھنوی ندوی (استاد مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ) ومولانا محمد عدنان خان ندوی (استاد مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور، بھٹکل) اور مولوی محمد شعیب بھٹکلی ندوی (متعلم تخصص فی الفقہ الشافعی جامعہ اسلامیہ بھٹکل) کا جنھوں نے کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں خصوصی تعاون پیش کیا۔ **جزاهم الله خيرًا وأحسن الجزاء.**

اور آخر میں الاسلام اکیڈمی مرڈیشور کے ذمہ داران مولانا اشرف عالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی (بانی المعہد الاسلامی العربی وسرپرست مجلّہ "النصیحۃ") اور مولانا حماد صاحب کریمی ندوی (ناظم المعہد الاسلامی العربی) کا کہ انھوں نے اس کتاب کی طباعت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔
فجزاهما الله خيرا وأحسن الجزاء۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ بندہ کی اس پہلی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور صدقہ جاریہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

محمد انس قاضی
(مرڈیشور، تعلقہ بھٹکل)

اللہ کی حمایت ونصرت کیونکر حاصل ہوگی؟

الحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد، قال الله عز وجل في القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿إن وليّي الله الذي نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين، صدق الله العظيم﴾

معزز حاضرین!

مکہ مکرمہ کے جو حالات تھے، اللہ کے رسول ﷺ کے تعلق سے دشمنان اسلام کی جو سرگرمیاں تھیں اس میں سب سے اہم مسئلہ آپ کے تحفظ کا تھا، آپ کی حفاظت کا تھا، آپ کی کارگردگی، آپ کی فعالیت اور آپ کی کوشش کا مفید ہونا، نافع ہونا اس پر منحصر تھا کہ آپ بحفاظت موجود رہیں اور آپ کی سرگرمیاں جاری رہیں، طرح طرح کی سازشیں کی جارہی تھیں، قرآن پاک میں ان سازشوں کا تذکرہ ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے **﴿وإذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين﴾** اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے وہ آپ کے تعلق سے سازشیں کر رہے تھے یا آپ پر اتنا دباؤ بنایا جائے کہ آپ کی بولتی بند ہوجائے آپ کچھ کہہ نہ سکیں، یا آپ کو قتل کردیا جائے، یا آپ کو یہاں سے جلا وطن کیا جائے، اور مکہ مکرمہ میں آپ کی سرگرمیاں باقی نہ رہ سکیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح سے وہ آپ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے، اللہ ان کی سازشوں کو توڑنے کا بھی ارادہ فرما رہا تھا ان کے خلاف بھی تدبیر فرما رہا تھا، تو ان کی سازشیں بہت تھیں، اس وقت حالات بڑے سنگین ہو گئے تھے، اور گویا جان کے لالے پڑ گئے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے اس کو ادا کرایا، کلام تو اللہ کا ہے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے ادا کرایا جا رہا ہے کہ ﴿**إن وليي الله الذى نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين**﴾ ، یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کائنات کا مالک ہے، خالق ہے، زمین وآسمان کو اسی نے پیدا کیا ہے، آسمان سے بارش نازل کر کے پھل، فروٹ اور غلّوں کی شکل میں اس نے ہمیں عطا فرمایا ہے، اسی طرح سے سمندروں کو، دریاؤں کو، کشتیوں کو اور جہازوں کو، سورج اور چاند کو، دن اور رات کو اللہ رب العزت نے ہمارے قابو میں دے رکھا ہے کہ ہم اس سے استفادہ کریں اور نہ جانے کتنے احسانات ونعمتیں اللہ رب العزت کی ہیں اور ساری نعمتیں تو اللہ رب العزت ہی کی ہیں، ﴿**وما بكم من نعمة فمن الله**﴾ جو بھی نعمت ہے، سب اللہ رب العزت کی دی ہوئی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان نعمتوں کا ہم احساس نہ کریں، ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کریں، ﴿**يعرفون نعمة الله ثم ينكرونها وأكثرهم الكافرون**﴾ کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، جانتے ہیں لیکن انکار کر دیتے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے ہم کو نوازا ہے، اگر اس کو شمار کریں تو ہم اس کو گن نہیں سکتے، شمار کر نہیں سکتے، ﴿**وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها**﴾ ، تو انسان ان تمام نعمتوں کے ساتھ ہے پھر بھی ناشکری کرتا ہے، ظلم کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اللہ کے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان

سے یہ بات، یہ کلمہ ادا فرمایا، یہ آیت ادا فرمائی ﴿**إن وليي الله الذى نزل الكتاب**﴾ بے شک میرا ولی یعنی میرا حامی میرا مددگار، میرا محافظ وہ اللہ ہے جس نے کتاب کو نازل کیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے آسمان کو پیدا فرمایا ہے، زمین کو پیدا کیا ہے، ستاروں کو پیدا کیا ہے، کیوں؟ یہ اسلئے کہ یہ سب کے سب فانی ہیں، یہ سب کے سب ختم ہونے والے ہیں، لیکن اللہ کا کلام اس دنیا کے اندر واحد ایسی چیز ہے جو فانی نہیں ہے، جو باقی ہے، کلام الٰہی اللہ کی ذات سے نکلا ہوا ہے، لہٰذا جس طرح ذات لا فانی ہے اسی طرح کلام الٰہی، کلام اللہ، قرآن پاک بھی غیر فانی ہے لا زوال ہے، لہٰذا اس آیت کے اندر خدا کے اس وصف کو، خدا اس صفت کو ذکر فرما کر کے اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت کا، ضمانت کا، اللہ کی قدرت کا، اور اللہ کے اقتدار عالی کا یوں تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے، ساری دنیا ختم ہو سکتی ہے، لیکن کلام ختم نہیں ہو سکتا اور کلام کا خالق اللہ ہے وہ آپ کا محافظ ہے، وہ آپ کا مددگار ہے، وہ آپ کا معاون ہے۔

لہٰذا حالات جیسے بھی سنگین ہوں، ماحول جتنا بھی گرم ہو، آپ کی نظر اللہ کی طرف ہونی چاہئے، ﴿**واصبر وما صبرك إلا بالله ولا تحزن عليهم ولا تك فى ضيق مما يمكرون إن الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون**﴾ صبر کیجئے، جمے رہئے، صبر کے معنی جمنے کے ہیں، اور وہ صبر چاہئے جو اللہ رب العزت کی طرف نظر رکھتے ہوئے کہ اللہ کی مدد آئیگی، اللہ کی نصرت آئیگی، اللہ کی رضا اس میں مضمر ہے، اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر نوازش کے فیصلے ہوں گے، وہ صبر چاہئے، صبر معذوری کا نام نہیں ہے، صبر مجبوری کا نام نہیں ہے، صبر یہ ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے اس کے باوجود بھی اللہ کی

رضا کے لئے جمنا ہے، جس اللہ نے فرمایا ہے ﴿**واصبر مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عينك عنهم تريد زينة الحيٰوة الدنيا ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان أمره فرطا**﴾ آپ صبر کیجئے، تو صبر کی تین قسمیں ہیں ایک صبر جس کو صبر علیٰ الطاعات کہا جاتا ہے، دوسرا صبر صبر **علیٰ المعصية** ہے، اور صبر کی تیسری قسم صبر **علیٰ الشدائد** ہے، **المكاره** ہے، **صبر علیٰ الطاعات** یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم ہے کرنے کا ﴿**ما آتاكم الرسول فخذوه**﴾ اسکو لیا جائے، چاہے ذہن پر بوجھ بن جائے، طبیعت پر بار بن جائے، اور اس کی سنگینی محسوس ہونے لگے، لیکن نہیں! اللہ کا حکم ہے، اللہ نے کہا ہے تو ہمیں یہی کرنا ہے، دل نہ چاہتا ہو پھر بھی قبول کرنا ہے، اس کو صبر علیٰ الطاعۃ کہتے ہیں، اور صبر علیٰ المعاصی یعنی معصیت کرنے میں لذت ہے، گناہ کرنے میں ایک لطف آرہا ہے، سود خوری میں بڑا اچھا لگتا ہے، رشوت لینا بڑا اچھا معلوم ہو رہا ہے، کسی کو گالی دینا بڑا لذیذ معلوم ہو رہا ہے، لیکن نہیں یہ معصیت ہے، یہ اللہ کی نافرمانی ہے، دل چاہتے ہوئے، قوت ہوتے ہوئے، طاقت ہوتے ہوئے، ظلم سے، زیادتی سے، جور سے، جفا سے، ناانصافی سے، حق تلفی سے، اپنے آپ کو بچائے، تو اس کو صبر علیٰ المعاصی کہا جاتا ہے، تیسرا صبر صبر علیٰ الشدائد کہلاتا ہے، وَاصْبِرْ صبر کیجئے اگر حالات تبدیل ہو جائیں، حالات نازک ہو جائیں، اور کہیں کوئی سبیل نظر نہ آئے، تو اس شدائد و مصائب کے تعلق سے آپ اپنے آپ کو مت ڈرائیے، یہی وقت ﴿**إن معي ربي سيهدين**﴾ یہی وقت ہے کہنے کا ﴿**إن الله معنا**﴾، لہذا اللہ کی معیت یہ صرف أنبیاء علیہم السلام کے ساتھ نہیں بلکہ معیت الٰہی ہم سب کے ساتھ بھی ہے، لیکن یہ دو صفت چاہیے، یہ دو وصف پیدا ہو جائیں، تو ہم سب کے

ساتھ معیت الٰہی لگی ہوئی ہے، اور معیت الٰہی اگر ہمیں حاصل ہو جائے تو ظاہر ہے کہ کون ہم پر غالب آئے گا؟ کون ہے جو ہمیں مٹا سکے، کون ہے جو برباد کر سکے، کون ہے جو ہمارے خلاف کوئی عمل کر سکے، اور اس میں وہ کامیاب ہو سکے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا ﴿**واصبر وما صبرك إلا بالله ولا تحزن عليهم ولا تك في ضيق مما يمكرون إن الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون**﴾ دو وصف پیدا کیجئے، اللہ ان کے ساتھ ہے جو متقی ہیں تقویٰ جنہوں نے اختیار کیا ہے، احسان تقویٰ سے متصف ہیں، تقویٰ معنی ہر عمل اللہ کے لئے، اور دوسرا یہ کہ احسان وسلوک کرتے ہیں، جو حقوق ہیں، ان پر جو ذمہ داریاں ہیں، ان کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ دو وصف اگر پیدا کر لئے جائیں، اپنی زندگی میں اتار لئے جائیں، اس کی روشنی میں اپنی زندگی کی گزارنے کی کوشش کی جائے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے، نصرت حاصل ہوتی ہے، اسی کو اس آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿**إن ولي الله الذى نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين**﴾، وہی اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب کو نازل کیا، اور وہی نیک لوگوں کا محافظ ہے، معاون ہے، مددگار ہے، حامی ہے، ناصر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی نصرتیں عطا فرمائے۔

☆☆☆

دین کا مذاق اڑانے والی مجلسوں سے دور رہنا چاہئے

ألحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین أما بعد ، قال اللّٰہ عز وجل فی القرآن المجید والفرقان الحمید أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم : ﴿وإذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فأعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ، صدق اللّٰہ العظیم﴾

حاضرین!

اللہ کے رسول کے اُصحاب نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ حضور جب ہم مسجد حرام جاتے ہیں تو ہمارا مذاق اڑایا جاتا ہے، استھزاء کیا جاتا ہے، کفار کی مجلس، ان کے حلقہ مسجد حرام میں ہوتے ہیں، خانہ کعبہ کے زیر سایہ وہ بیٹھے ہوتے ہیں، ہمیں دیکھ کرکے ہمارے اوپر ہنستے ہیں، ہمارا تمسخر کرتے ہیں، ایسی حالت میں ہم کیا کریں؟ ہم مسجد حرام جائیں یا نہیں؟ کعبۃ اللہ شریف کے ہم زیر سایہ جاکر نمازیں ادا کریں یا نہ کریں؟ اللہ کے حضور میں تضرع وابتھال کی کیفیت کے ساتھ دعا میں مشغول رہیں یا نہ رہیں، یہ سوال ہے، یہ سوال حضرات صحابہؓ نے حضور ﷺ سے کیا، اللہ کے رسول پر یہ

آیت نازل ہوئی، اور مخاطب اللہ کے رسول کو براہ راست کیا گیا، تاکہ اس کی اہمیت محسوس کی جاسکے، کہ اللہ کے رسول کو مخاطب کیا گیا تو امت کا ہر فرد مخاطب ہے، قرآن پاک کے اندر خطاب عام بھی ہے، خطاب خاص بھی ہے اور خطاب موجّہ بھی ہے، خطاب موجّہ اس خطاب کو کہتے ہیں جس میں بظاہر اللہ کے رسول ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں امت کے سارے افراد مخاطب ہیں، لہذا اس آیت کے اندر یہی خطاب ہے، اللہ کا ارشاد ہے کہ جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو ہمارے احکام کو، ہماری آیتوں کا استھزاء کرتے ہیں اور خوش گپیوں میں مبتلا ہیں، عیب جوئی کررہے ہیں، **یخوضون فی آیاتنا**، خَاضَ کے اصل معنی آتے ہیں پانی میں داخل ہونا، پانی کے اندر انسان داخل ہوتا ہے تو اسے یہ پتا نہیں چلتا کہ رسی ہے یا سانپ ہے، یہ پتھر ہے یا مٹی ہے، اسے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ سنگ مرمر ہے یا کوئی اور چیز ہے، لہذا وہ خیال کرتا ہے، ظن اور وہم میں مبتلا ہوتا ہے، وہ گمان کرتا ہے، اسی طرح خوش گپیاں کرنے والے، باتیں کرنے والے، ایک دوسرے پر عیب جوئی کرنے والے ایسے ہی کام کرتے ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں **یتکلمون** نہیں فرمایا، **یحدثون** نہیں کہا گیا، **ینطقون** نہیں فرمایا گیا بلکہ فرمایا گیا **یخوضون فی اٰیاتنا** اور یہی وہ صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت پوچھیں گے ﴿**ما سلککم فی سقر**﴾ جھنم میں تمہیں کیا چیز لے آئی، تو کہیں گے ﴿**قالوا لم نک من المصلین ، ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض من مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین**﴾ یہ چار صفات ہیں جنکی بنیاد پر جھنم میں جائیں گے، ان میں سے ایک اہم صفت یہ ہے کہ ہم خوش گپیاں کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے، کیا مقصد ہے، کیا نیت ہے، کس

پر چوٹ پڑ رہی ہے، کس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، استھزاء کہاں تک پہنچ کر کے اس کے اثراتِ بدرونما ہو رہے ہیں، اس کی کوئی فکر نہیں ہے ﴿وکنا نخوض مع الخائضین ، وفی خوضھم یلعبون﴾ خوش گپیوں میں تماشا کرتے ہیں، کھیل کود کرتے ہیں، وقت کاٹتے ہیں، کسی شخصیت کو، کسی تحریک کو، کسی جماعت کو، کسی فرد کو، کسی استاد کو، کسی ساتھی کو، کسی معاملے کو لے کر کے اپنی باتیں اڑا رہے ہیں، ﴿وفی خوضھم یلعبون﴾ ،قرآن پاک صاف صاف کہہ رہا ہے ﴿وإذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فأعرض عنھم﴾ ان سے آپ دور ہو جایئے، ان سے اعراض کیجئے، ان سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ﴿حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ﴾ ،اگر ان کے پاس جانا ہی ہے تو انتظار کیجئے کہ یہ دوسرے کام میں مشغول ہو جائیں، اس قسم کی باتیں نہ کریں، ﴿وإما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین﴾ ،اگر کبھی شیطان نسیان طاری کرے اور بھول جائے خیال نہ رہے، ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ﴾ حضور سے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ شیطانی اثرات کے حامل ہوں، یہ آپ کے واسطے سے امت کے افراد کو مخاطب کیا گیا ہے، ﴿وإما ینسینک الشیطان﴾ تم میں ہر ایک شخص کو شیطان ایسی مجلس میں جا کر کے بٹھا دے اور خیال نہ رہے اور وہاں ہماری آیتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور اس ڈبیٹ میں بیٹھنے والے سب احادیث رسولؐ، قرآن پاک، احکام الٰھیہ کا مذاق کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، مذاق اڑانے والوں کو بلاتے ہیں، اور وہاں جا کر کے ہم اس مجلس میں بیٹھتے ہیں اور قرآن پاک، احادیث کے حوالے سے بات کرتے ہیں، تو مذاق اڑایا جاتا ہے ،ایسے ڈبیٹ کے اندر، ایسی مجلس کے اندر، ایسے حلقوں کے اندر جانا حرام ہے

حرام، اس آیت کی بموجب جانا حرام ہے، یہ آیت مکی آیت ہے، ﴿وإذا رأیت الذین یخوضون فی اٰیاتنا فأعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ، وإما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ﴾ ایسے ڈبیٹ میں کبھی نہ جانا، تمہیں اگر لفافے پیش کئے جائیں، تمہیں اگر پیسے دئے جائیں، تو بھی کبھی نہ جانا اسلئے کہ ان کی عادتیں اور نیتیں خراب ہیں، یہ اسلام پر داغ و دھبہ لگانے کے لئے ایسے افراد کو بلاتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ عوام کے اندر اسلام کا استھزاء کرنا چاہتے ہیں، اسلام کے تعلق سے بدنیت ہیں ،لہذا تم قطعاً نہ جاؤ، جانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین﴾ ، یاد آجائے کہ ایسی مجلس ہے تو فوراً اٹھ کھڑا ہو جائے، یہ آیت سورہ الأنعام کی ہے، مکی آیت ہے، لیکن اس کو پھر دہرایا گیا، مدنی آیت بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وقد نزل علیکم فی الکتاب عن اذا سمعتم اٰیات اللّٰہ﴾ اللہ تعالیٰ کتاب میں حکم اتار چکا ہے ، یہی اس آیت سے مقصود ہے، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہی آیت ہے، جو سورہ انعام کی ہے جو مکی ہے، اللہ رب العزت نے اللہ کے رسول ﷺ پہ یہ آیت نازل فرمائی کہ جب یہ جائیں تو جانا نہ چھوڑیں، اسی سے امام جصّاصؒ نے یہ حکم بھی استنباط کیا ہے کہ اگر مسجد میں کوئی بات پیش آجائے، متولی یا مسجد میں نماز پڑھنے والوں سے، تو بددل ہو کر نماز نہ چھوڑو، جس طرح صحابہ کرام پر استھزاء کیا گیا، ان پر طعن و تشنیع کی گئی، ان کے ساتھ تمسخر کیا گیا، اس کے باوجود اللہ نے حکم دیا کہ ان میں نہ بیٹھو لیکن مسجدِ حرام جاؤ، کعبۃ اللہ جاؤ، یا پھر اللہ سے دعا کرو، وہ نہ چھوڑو۔ لہٰذا وہ جگہ جو اللہ کی عبادت کی ہے، قہ جگہ جو قراٰن کی ہے، وہ جگہ جوہاں اللہ کی رضا حاصل ہے، اس راستہ میں اگر کچھ پیش

آئے تو اس کی بنیاد پہ ہمیں اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے لیکن اس مسجد میں ، ان لوگوں کے ساتھ ان کی ہم نوائی کریں ، ان کے ہاں میں ہاں ملائیں ، ان کے ساتھ مسکرائیں ، کچھ نہیں تو بیٹھے ہی رہیں ، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس کچھ شرابی پکڑ کر لائے گئے یہ شراب پی رہے تھے ، تحقیق ہوئی تو ایک صاحب روزے سے تھے ، ان شرابیوں میں ایک صاحب روزے سے تھے ، اور ظاہر وہ روزے سے تھے تو شراب نہیں پی تھی ، لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس طرح سب کو سزا دی ان کو بھی سزا دی ، فرمایا کہ تم ان کی مجلس میں بیٹھے کیوں ؟ شرابی کی مجلس میں بیٹھنا بھی حرام ، میخانے میں جا کے چائے پینا بھی حرام ہے ، لہذا اگر وہ جا کر وہاں پیتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ پی رہا ہے اور اس کے بارے میں غلط خیال آئے گا ، اس کو سزا دی جائے گی ، تنبیہ کی جائے گی ، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس روزے دار کو بھی جو شرابیوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ، اس کو بھی سزا دی ، لہذا اس مجلس سے ، اس حلقہ سے ، اس جماعت سے ہمیں دوری اختیار کرنی چاہیئے ، اللہ کا حکم اٹل ہے ، اللہ کا حکم قطعی ہے ، اللہ کی شریعت قطعی ہے ، اللہ کا فیصلہ قطعی ہے ، لہذا ہمیں کوئی شک کی گنجائش نہیں ، یہ تو پیش آنا ہی ہے ، ﴿**فلا يحزنك قولهم إنا نعلم ما يسرون وما يعلنون ، واصبر وما صبرك إلا بالله ، ولا تحزن عليهم ولا تك في ضيق مما يمكرون إن الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون**﴾ اللہ کا یہ فرمان کیوں ہے ؟ ایسا تو ہوگا ، لیکن صبر کیجئے ، ان کی ہم نوائی یا آپ اپنے اندر خفت محسوس کر کے ان کے ہونے کی دلیل پیش نہ کیجئے ، نہیں اللہ نے ایک بہت بڑا تحفہ ، قیمتی تحفہ آپ کو شریعت محمدی کی شکل میں عطا فرمایا ہے ، آپ کو اس پر فکر کرنا چاہیئے ، آپ کے اندر استقامت ہونا چاہیئے ،

آپ کے اندر استحکام ہونا چاہئے ، آپ کے اندر اس پر جمنے کی کیفیت ہونی چاہئے ، جو دوسری آیت رب العزت نے نازل فرمائی ﴿**وقد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها**﴾ کہ وہ آیتیں جو پہلے نازل ہو چکی ہیں ، اب یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اگر پھر بھی کوئی بات ایسی آئے جہاں پر ہمارے احکام کا انکار ہو ، ﴿**يكفر بها ويستهزأ بها**﴾ ، جہاں انکار کرنے والے موجود ہوں ، جہاں مذاق اڑانے والے موجود ہوں ، تو ﴿**فلا تقعدوا معهم**﴾ ان کے ساتھ بیٹھو نہیں ، اور اگر نہیں مانو گے اگر جا کر کے بیٹھو گے ان تمسخر کرنے والوں کے ساتھ ، مذاق اڑانے والوں کے ساتھ ، ایسے ڈبیٹ کی مجلسوں میں ، ایسے حلقوں میں ، ایسی جماعتوں میں تو ﴿**إنكم إذاً مثلهم**﴾ تو تم بھی ویسے ہی ہوگے ، وہ کافر تم بھی کافر ، وہ منکر تم بھی منکر ، وہ دین وشریعت کا استہزاء کرنے والے تم بھی دین وشریعت کا استہزاء کرنے والے ، اور اللہ چھوڑے گا نہیں ، اللہ ایک ایک کو شمار کر رہا ہے ، ﴿**وأحصى كل شيء عدداً**﴾ ، ایک ایک کی نمبرنگ کر رہا ہے ، سب کی نمبرنگ ہو رہی ہے ، لہذا ﴿**إن الله جامع المنافقين والكافرين في جهنم جميعاً ، الذين يتربصون بكم**﴾ ، بے شک اللہ منافقوں کو ، کافروں کو جمع فرمائیں گے ، اور وہ ہیں جو تمہارے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں ، لہذا آپ کو تیار ہونا چاہئے ، ایسی مجلسوں سے گریز کرنا چاہئے ، اپنے آپ کو بچانا چاہئے ، اللہ کے حضور میں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ ہم سب کو شریعت حقہ پر گامزن فرمائے اور ان تمام چیزوں سے بچنے والوں میں شامل فرمائے ۔

☆☆☆

دنیا کی زندگی

ألحمد للّه رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد ، قال اللّه عز وجل فى القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ باللّه من الشيطان الرجيم بسم اللّه الرحمن الرحيم : ﴿كل نفس ذائقة الموت ونبلوكم بالشر والخير فتنة والينا ترجعون ، صدق الله العظيم﴾ (الأنبياء: ۳۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ ہر جاندار، ہر متنفس پر موت آئے گی، موت کا مزہ چکھنا ہے، مزہ شیریں بھی ہوتا ہے، مزہ کڑوہ بھی ہوتا ہے، پھیکا بھی ہوتا ہے، جیسے اعمال ہونگے، جیسے کرتوت ہونگے، جیسا کردار ہوگا، موت کے وقت موت کا مزہ بھی ویسا ہی ہوگا، ﴿**كل نفس ذائقة الموت**﴾، جب اللہ رب العزت نے اس زندگی کے اختتام کو ذکر کرنے کے بعد اس زندگی کے مقصود کو بھی واضح فرمایا ہے کہ ہم نے جو زندگی دی ہے، صرف لذت کیلئے نہیں دی ہے، بلکہ کچھ حقوق بھی دئے ہیں، جنکو نبھانا، ان کو پورا کرنا لازم ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا﴿**ونبلوكم بالشر والخير والفتنة**﴾ ہم تمہیں آزمائیں گے شر سے بھی خیر سے بھی، مزاج کے موافق چیزیں بھی آسکتی ہیں، اور مزاج کے خلاف بھی چیزیں پیش آئیں گی، حالات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن یہ ذہن میں رہے کہ ہم نے یہ جو زندگی دی ہے، یہ زندگی آزمائش کے لئے دی ہے، آسائش

کے لئے نہیں دی ہے، آرائش کے لئے نہیں دی ہے، لہذا اس آزمائش کے لئے فرمائش کی ضرورت ہوتی ہے، تو اللہ رب العزت نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہ زندگی کیا ہے؟ مقاصد کیا ہیں؟ خالق ومخلوق کا ربط کیسا ہونا چاہئے؟ اسی کو بتانے کے لئے سارے انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، اور آخر میں خاتم النبین سید الاولین والآخرین أحمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے ذریعہ اس سلسلۂ ذھب کی تکمیل فرمائی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا﴿**ونبلوكم بالشر والخير والفتنة**﴾ آزمائش کے لئے اگر ہم سرمایہ دیں گے، تو آزمائش کے لئے دیں گے، تنگ دستی، افلاس و غربت کے حالات آئیں گے تو یہ بھی آزمائش کے لئے ہوں گے، یہ اس لئے نہیں کہ وہ غریب ہماری مدد میں گھرا ہوا ہے، حقیر ہے، کم ترین ہے، اور وہ مالدار، سرمایہ دار میری نظر میں محبوب ہے، ہر دلعزیز ہے، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ آزمائش دونوں طریقہ سے ہوتی ہے، اور پھر یہ کہ ہمارے ہی پاس تم سب کو آنا ہے، یہ ساری زندگی گزار کر کے ہمارے پاس آنا ہے اور اس زندگی کا پورا پورا حساب اللہ کے حضور بے باق کرنا ہے، جو کچھ بھی انسان نے کیا ہے، خود اس کی نظروں کے سامنے وہ چیزیں آجائیں گی، ﴿**ووجدوا ما عملوا حاضراً ولا يظلم ربك أحداً**﴾ (**کهف: ۲۱۹**) ، وہ سب پالیں گے جو انھوں نے زندگی میں کیا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کوئی حق تلفی نہیں فرمائیں گے کوئی کمی نہیں فرمائیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کی پیشی ہوگی اللہ کے حضور میں، اس نے زندگی میں کوئی نیکی نہیں کی ہوگی، ۹۹ رجسٹر اس کے کھولے جائیں گے، اور ایک رجسٹر اتنا بڑا ہوگا کہ تاحدنگاہ، اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے کہ میرے فرشتوں نے جو اس کے اندر لکھا ہے کیا وہ صحیح ہے؟ وہ کہے گا: رب کریم بالکل صحیح ہے، تو

نے یہ سب کیا ہے؟ وہ اعتراف کرے گا، تمہارے پاس نیکی نہیں ہے؟ خاموش ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس وقت اس کی پشیمانی دیکھتے ہوئے اپنی خاص مہربانی کا فیضان اس پر جاری فرمائے گا، اللہ رب العزت کی طرف سے ایک خاص پرچی اس کو دی جائے گی، اور اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ اس پرچی کو تو اس پڑلے میں رکھ دے جو تیرا پڑلا اٹھا ہوا ہے، نیکی کے پڑلے میں جب وہ اس پرچی کو رکھے گا اور جب اس کو کھولے گا **أشهد أن لا إله إلا اللّه وأشهد أن محمد ا رسول اللّه** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہ جب اس پرچی کو اس پڑلے میں رکھے گا تو وہ پڑلا جھک جائے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی بنیاد پہ اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمائیں گے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انعام ہے اس کلمہ کی بنیاد پہ، لیکن زندگی کا حساب کتاب ہے، زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ سب سامنے آنا ہے، اگر انسان یہ کہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ زبان بندکر کے اعضاء سے شہادت دلوادیں گے، ﴿**الیوم نختم علیٰ أفواههم وتکلمنا أیدیهم وتشهد أرجلهم بما کانوا یکسبون**﴾ (یٰس: ۶۵)، یہی نہیں بلکہ ہماری کھال بھی گواہی دیں گی، اس کے مسامات گواہی دیں گے، اور اس سے ہم چھپ نہیں سکتے، تو یہ زندگی جو اللہ نے ہمیں دی ہے اور جو کچھ سامان اللہ نے دیا ہے یہ سب برتنے کے لئے ہے، ﴿**ذلک متاع الحیاة الدنیا**﴾ (آل عمران)، دنیا کی زندگی کے لئے یہ سب چیزیں برتنے کے لئے ہیں، ﴿**زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والأنعام والحرث ذلک متاع الحیاة الدنیا**﴾ (آل عمران: ۱۷۱)،

تلذذ کی جتنی بھی شکلیں اللہ نے دی ہیں، لیکن برتنے کے لئے دی ہیں، وہ برتنے میں حقوق کی ادائیگی لازم ہے، آپ کسی سے اخلاق برتتے ہیں کسی سے سلوک کرتے ہیں، کسی سے رشتہ ناطے کو برتتے ہیں، پڑوسی کے حقوق کو برتتے ہیں، تو برتنے میں حقوق کی ادائیگی ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ساری چیزیں ہمیں دی ہیں، برتنے کے لئے، حقوق کو ادا کرتے ہوئے، اس لئے نہیں کہ صرف لذت حاصل کریں، تلذذ کے لئے نہیں دی ہیں، بلکہ اس کا حق ادا کرنے کے لئے دی ہیں، لہذا زندگی کا سامان اللہ رب العزت کی طرف سے ہمارے لئے اس زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق گزارنے، بنانے، سنوارنے، اٹھانے، پروان چڑھانے کے لئے یہ ساز وسامان عطا کیا ہے، لیکن آج برتنے کا مفہوم لذت کے لئے ہوتا ہے، تلذذ ہو رہا ہے، اور تلذذ ایسے کہ انسان جانور بنتا جا رہا ہے، اس زندگی کو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں ہے، لہذا آج حکومتیں ایسے قانون پاس کررہی ہیں جس پر شرم آتی ہے، ترقی یافتہ ممالک ہم جنس پرستی کو قانونی مقام دے کر کے گویا کہ وہ جانوروں کی صف میں انسان کو کھڑا کرانا چاہتی ہے جسکے بارے میں ہم جنس پرستی کے تعلق سے اس رب کائنات نے ایک قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، حضرت لوط علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دو فرشتہ آئے، قوم اس بدکاری میں مبتلا تھی، بدمعاش قوم تھی، لہذا وہ دوڑ پڑے یہ آئے ہیں اور ان سے مزہ لیا جائے، حضرت لوط علیہ السلام نے بڑے درد کے ساتھ، بڑے کرب کے ساتھ کہا تھا کہ کیا کررہے ہو؟ میری بیٹیاں موجود ہیں، یعنی قوم کی بیٹیاں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو، تم لذت بھی حاصل کرو اور جو حق ہے نسلی امتداد کا، شادی کا، نکاح کا، ایک مرد کا عورت سے ملنے کا، اس میں اللہ نے لذت بھی رکھی ہے، لیکن اس کا اصل مقصد کیا ہے؟ نسل کی بڑھوتری، نسل باقی رہے، نسل گھٹنے نہ

پائے اوراس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں اوراس میں سراسر نسل کشی ،نسل کو ختم کرنا ہے ،اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرنا ہے ،اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت لوطؑ کے اس واقعہ کو بیان کیا ہے ،تو انھوں نے بڑے درد سے کہا **أليس منكم رجل رشيد** تمہارے درمیان کوئی صاحب فہم نہیں ہے؟ کوئی اچھے کردار کا مالک نہیں ہے؟ انھوں نے تو ایک فرد کی تلاش کی تھی، آج پوری قوم، پوری ملت، پوری امتیں اسی میں پڑی ہوئی ہیں اور اپنے آپ کو ترقی یافتہ ہونے کا سامان سمجھتی ہیں ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس حضرت خالد بن ولید نے پرچی بھیجی کہ حضور ہمارے پاس میں ایک شخص ایسا ہے کہ وہ اس بدکرداری میں مبتلا ہے ، اس کی طبیعت اور عادت بن گئی ہے ، حضرت خالد بن ولیدؓ کا جب پرچہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہونچا تو آپؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجھہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ کو بلایا اور مشورہ کیا ، مشورے میں یہ طے ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا دیا جائے ، لہذا اس شخص کو پکڑ کے لایا گیا اور زندہ جلا دیا گیا ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿ **واللّذان ياتينها منكم فآذوهما ، فإن تابا وأصلحا فأعرضوا عنهما** ﴾ (النساء : ۱۶۱) ، جو دو مرد ایسے جنس پرستی میں مبتلا ہوں ، ان کو ایذاء پہونچاؤ اور ایذاء دینے میں کوئی تحذیر نہیں کی گئی ہے ، کوئی تحذیر نہیں کہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں ، اس کو دو ہزار کوڑے لگائے جائیں ، ایذا دو اس کو ، طعن وتشنیع کے ذریعہ ، طنز کے ذریعہ ، جوتے مار کرکے ، تاکہ معاشرہ پاک ہو ، معاشرہ کے اندر ایسے بدکردار وجود میں نہ آئیں ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقوق کے ساتھ زندگی برتنے کا یہ سامان دیا ہے ، لیکن دنیا میں آج کیا کیا ہو رہا ہے ، جو نہیں مانتے وہ نہیں مانتے لیکن افسوس ان پہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ، جو اپنا نام مسلمان کی طرح رکھتے ہیں ، اور وہ اس پر جشن

منانے والوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ، اور اس پہ جشن مناتے ہیں ، افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہم اس حد تک گر گئے ہیں کہ **أسفل سافلين** جو قرآن پاک کے اندر ہے اس کا مظہر ہمارے سامنے آرہا ہے ، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کی ایسے بدکرداروں کی نحوستوں سے حفاظت فرمائے ، ہمیں دعا کرنی چاہئے ، تو یہ دنیا برتنے کے لئے اللہ نے دی ہے ، برتنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں لازم ملزوم ہیں ، حقوق اللہ کی تو معافی ہو سکتی ہے ، اللہ چاہے تو معاف کردے ، لیکن حقوق العباد میں معافی نہیں ہے ، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے ، کہا حضور ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں ، جہاد میں میں شہید ہونا چاہتا ہوں ، اے اللہ کے رسول کیا ملے گا ؟ اللہ کے رسول نے شہادت کی فضیلت ان کے سامنے بیان فرمائی ، پھر فرمایا کہ تم کیا کہہ رہے ہو پھر بیان کرو ، انھوں نے کہا : حضور ! میں شہید ہونا چاہتا ہوں ، اللہ کے راستے میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں ، دین کی ترویج واشاعت کے لئے میں جانا چاہتا ہوں ، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سن لو ، اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو معاف کردے گا ، لیکن کسی کا قرض اگر تمہارے ذمہ ہے تو اس قرض کو معاف نہیں فرمائے گا ، یہ حقوق العباد کے ذیل میں ہے ، تو ایک شہید کا قتل ہونا اگر اس کے اوپر کسی کا قرض ہے تو وہ معاف نہیں کرسکتا ہے ، معاملات کی دنیا بہت اہم ہے ، اسی لئے حقوق العباد حقوق اللہ کے مقابلہ میں بہت بڑھا ہوا ہے ، لہذا کسی کی نماز ، کسی کا روزہ ، کسی کا حج ، کسی کا عمرہ یہ صرف دیکھ کر کے دینداری کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے ، بلکہ اس کے معاملات ہوتے ہیں ، اسی لئے حضرت عمرؓ کی خدمت عالیہ میں ایک شخص کا معاملہ پیش ہوا ، کہا کہ گواہ لے آؤ ، اس شخص نے گواہ پیش کیا ، گواہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تم نے ان کے ساتھ کوئی معاملہ کیا ہے ؟ کہا نہیں ! پوچھا کہ تم ان کے پڑوسی

ہو؟ کہا نہیں! کبھی سفر کیا ہے ان کے ساتھ؟ کہا نہیں! کہا کہ اٹھ کے چلے جاؤ یہاں سے، جب تمہارا ان سے کوئی تجربہ نہیں تو گواہی کس بات کی دے سکتے ہو؟ لہذا معلوم ہوا کہ حقوق العباد کے دائرے میں دینداری کا اصل مسئلہ وہاں پیش آتا ہے، آج حقوق العباد کی پامالی ہو رہی ہے، ہم اس طرف سے غفلت برتتے ہیں، حالات کے سنگین نتائج برآمد ہو رہے ہیں، لہذا اپنی اس دینداری کی وجہ سے جو عبادات شعائر کے درجہ میں ہیں، عبادات معاملات کو بھی درست کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

ہر عمل خدا کے یہاں لکھا جا رہا ہے

ألحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد، قال الله عز وجل فی القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وكل إنسان ألزمناه طائره فی عنقه، ونخرج له يوم القيامة كتاباً يلقاه منشوراً، اقرأ كتابك، كفىٰ بنفسك اليوم عليك حسيباً﴾ (بنی اسرائیل)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ ہر انسان کے گلے میں اس کی قسمت یا اسکے نامہ اعمال کا ہار ہم نے لٹکا رکھا ہے، قیامت کے دن ہم اسے کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے پیش کریں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ خود پڑھ لو اور اپنے نامہ اعمال کو دیکھو، خود تم فیصلہ کر سکتے ہو کہ تمہارا حساب کن لوگوں کے ساتھ کیا جائے گا، یہ آیتیں سورہ بنی اسرائیل کی ہیں، ان دو آیتوں میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے، کہ ہمارا ہر عمل محفوظ ہو رہا ہے، ہماری تمام سرگرمیاں لکھی جا رہی ہیں، ہمارے لئے کوئی چیز اللہ کی نظر میں راز نہیں ہے، اور انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ بہت کچھ راز میں رکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ تقریباً ایک مہینہ سے زائد کا وقفہ گزرا، جب سپریم کورٹ میں آدھار کارڈ کے تعلق سے بحث چل رہی تھی، کل اس کا فیصلہ آیا کہ آدھار کارڈ کو باستثنا معدود چند کے معاف ہے، استعمال کیا جا سکتا ہے، مخالفت بھی ہو رہی تھی، اور موافقت بھی کی جا رہی تھی

،مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ آدھار کارڈ ہمارے بہت سے رازوں کا انکشاف کرتا ہے ،جس کو ظاہر کرنا انسان نہیں چاہتا تھا،لیکن اس میں بائی ڈاٹا اس طرح سے فٹ کیا ہوتا ہے کہ کوئی چیز راز نہیں رہتی ہے، سپریم کورٹ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ کیا کہ آدھار کارڈ بینک کے کھاتے کھولنے میں، بچوں کے ایڈمیشن کے سلسلہ میں، یا کسی کمپنی کے مطالبات کے طور پر پیش نہیں کیا جائے گا، بقیہ اور چیزوں میں انکم ٹیکس کے معاملہ میں یا دیگر چیزوں میں اس کو ضروری اور لازمی حیثیت دی گئی ہے،مخالفت اسی بنیاد پہ تھی کہ ہر فرد کا ایک حق ہے،اس حق پر ضرب پڑتی تھی، وہ حق کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ ہم بہت کچھ مخفی رکھنا چاہتے ہیں، اور بسا اوقات یہ اخفا وجوب کے درجہ میں ہوتا ہے، اور بسا اوقات یہ اخفا لازمی شیء ہوتا ہے کہ اس کے خلاف کرنا بغاوت کے درجہ میں ہوتا ہے، لہذا اگر ملک کے خلاف کوئی راز اخفا کرتا ہے تو اس کو باغی تصور کیا جاتا ہے، ایسے بہت سارے ادارے، بہت ساری کمپنیاں، بہت سے افراد ایسے ہیں جن کے پاس ایسے راز ہوتے ہیں جن کا وہ اخفا نہیں کر سکتے، تو اس کی بنیاد پہ مخالفت وموافقت دونوں چل رہی تھی، لیکن خیر فیصلہ آگیا، یہ جب خبر آئی تو میرا ذہن گویا منتقل ہوا کہ آدھار کارڈ تو ہم اپنے ساتھ لئے ہوئے چل رہے ہیں، اس آدھار کارڈ سے ہمیں مفر نہیں ہے، قرآن پاک بڑے واضح انداز میں، بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے، اور عجیب اعجاز ہے قرآن مجید کا کہ اس نے کلّ مومن نہیں کہا، کل مسلم نہیں کہا، نہ کسی علاقہ کا نام لیا، بلکہ کل انسان کہا ہے، **﴿وکل إنسان ألزمناه طائرہ فی عنقه﴾** ہر انسان کے گلے میں اسکا طائر ہوگا، ہمارے مفسرین نے طائر کا ترجمہ بدقسمتی سے کیا ہے، بری قسمت سے کیا ہے، یعنی وہ چیز جس کے افشاء پر وہ چراغ پا ہوسکتا ہے، پریشان ہوسکتا ہے، اضطراب میں مبتلا ہوسکتا ہے، ظاہر ہے وہ اس

کے لئے بدقسمتی کی بات ہے، لہذا اس کے لئے جو لفظ استعمال ہوا وہ طائر کا لفظ استعمال ہوا، **﴿ألزمناه طائرہ فی عنقه﴾** جب راز کھل جائے گا تو پھر چہرہ فق ہو جائے گا، یہ ہمارے اردو محاورہ میں اس طرح سے بولتے ہیں، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کے اندر فرمایا **﴿وکل إنسان ألزمناه طائرہ فی عنقه﴾** ہم اس کے گلے میں اس کی قسمت کو، اس کی بدقسمتی کو، انکے ان اعمال کو جن کی وجہ سے وہ سخت پریشان ہوگا جب وہ ظاہر ہونگے ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے، **﴿ألزمناه طائرہ فی عنقه﴾** اور جب کوئی چیز ہار کے طور پر چلی جاتی ہے، ہاتھ میں گھڑی ہے تو اس کو اتار دیتا ہے، انگلی میں انگوٹھی ہے تو وقت کے مطابق اس کو پہنتا ہے اور اتار دیتا ہے، لیکن گلے میں اس نے اگر ہار پہن رکھا ہے یا دھاگہ ہی کی کوئی ایسی چیز بنا رکھا ہے تو اس کو اتارتا نہیں ہے، اس کو پہن کے ہی رکھتا ہے، تو اسی طرف اشارہ ہے کہ اس کا ہار اس کے گلے میں پڑا رہتا ہے اور حضر میں سفر میں ہر جگہ وہ ہار اس کو متنبہ کرتا رہتا ہے کہ ہارنا نہیں جیتنا، ہارنا نہیں جیتنا، اگر اس کو تنبہ نہیں ہے تو ہار اس کے لئے ہار کا ذریعہ بن جاتا ہے، لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا ہار پہنا دیا ہے کہ وہ اترے گا نہیں بالکل اسی طرح سے جیسے پین ڈرایو میں لوگ ڈال دیتے ہیں اور اس میں پورا ڈاٹا موجود ہوتا ہے، لہذا وہ ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں، ایک ملک سے دوسرے ملک کو جاتے ہیں، اور اس میں پوری سرگرمیاں ہوتی ہیں، پورا دفتر اس میں ہوتا ہے، اور کمپیوٹر میں جا کر اس کو لگا دیتے ہیں، تو وہ ساری چیزیں بالکل سامنے آجاتی ہیں، تو **﴿ألزمناه طائرہ فی عنقه، ونخرج له یوم القیامة کتاباً یلقاه منشورا﴾** یہ کتاب کب کھلے گی؟ کہاں کھلے گی؟ کیسے کھلے گی؟ کس حال میں کھلے گی؟ اس کو بھی قرآن پاک بیان کر رہا ہے، اور یہ کتاب ہر فرد کی کتاب ہے،

یہ نامہ اعمال ہر فرد سے جڑا ہوا ہے، یہ حقیقت ہر فرد کو آواز دے رہی ہے، یہ تنبیہات ہر فرد کو متنبہ کر رہی ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے سورہ فصلت کے اندر، ﴿یوم یحشر أعداء اللّٰه إلى النار فهم یوزعون ، حتی إذا ما جاء وھا شھد علیھم سمعھم وأبصارھم وجلودھم بما کانو یعملون وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا أنطقنا اللّٰه الذی أنطق کل شیء وھو خلقکم أول مرة وإلیه ترجعون وما کنتم تستترون أن یشھد علیکم سمعکم ولا أبصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم أن اللّٰه لا یعلم کثیرا مما تعملون، وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم أرداکم فأصبحتم من الخاسرین فإن یصبروا فالنار مثوىً لھم وإن یستعتبوا فما ھم من المعتبین﴾ (حم سجدہ) ان آیتوں پر آپ غور کیجئے، سنجیدگی سے غور کیجئے، اس میں کیا پیغام دیا جا رہا ہے، کیا فکرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو کیا بتانا چاہتا ہے؟ تو وہ شخص اپنی چیزوں کو دیکھے گا، کہاں دیکھے گا، کیا دیکھے گا، لوگ بھاگے چلے جا رہے ہیں، أعداء اللہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور جہنم کے قریب جب جائیں گے تو ان کو روک دیا جائے گا فھم یوزعون رک جاؤ، سب رک جائیں گے، لائن لگاؤ، اب وہاں سے فیصلہ ہوگا، فیصلہ کیا ہوگا؟ وہ ساری چیزیں لاؤ، پورا بائی ڈاٹا لاؤ، جلوتوں میں کیا کیا، خلوتوں میں کیا کیا، اپنوں کے ساتھ ہم نے کیا کیا ہے، غیروں کے ساتھ ہم نے کیا کیا ہے، ہم نے کیا اچھائیاں کی ہیں کیا برائیاں کی ہیں، لیکن یہاں تو پورا بائی ڈاٹا کھل گیا، راز تو راز نہ رہا، ہم بہت اچھے ہیں، کھل کر کے ہم بولتے ہیں، لیکن بہت برے ہوں گے، جب ہمارا بائی ڈاٹا کھلے گا ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں کون شہادت دیں گے؟ بس وہ لگنے کی دیر ہے،

جب وہ کارڈ لگ جائے گا تو سب کچھ کھل جائے گا، یہ ہاتھ بول پڑیں گے، یہ زبان تو بند ہوگی، ہاتھ پیر بولیں گے، یہاں تک کہ ہمارے یہ جسم کی پورے مسامات بولیں گی، انسان کہے گا کہ تو نے ہمارے خلاف گواہی دی؟ تو یہ کھال اور اس کے مسامات جس سے قطرے نکلتے ہیں جب ہمیں پسینہ آتا ہے، یہ دونوں بولیں گے، تو انسان کی اس وقت آنکھ کھل جائے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اب کہاں بچ کر جاؤ گے؟ اپنی کھالوں سے تم کہاں بچ سکتے ہو؟ اپنے ہاتھ سے کہاں بچ سکتے ہو؟ اپنے پیر سے کہاں بچ سکتے ہو؟ جہاں جاؤ گے یہ چیزیں تمہارے ساتھ، اور یہی تمہارے خلاف کل اللہ کے حضور میں گواہی دیں گے، تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کو معلوم نہیں جو تم کر رہے تھے، ہم جو دھوکہ دہی، ظلم و زیادتی، جفا اور جور کر رہے ہیں کسی کو معلوم نہیں ہے، کوئی زبان نہیں کھول سکتا، ہمارا گھر ہے، ہمارا روم ہے، ہمارا دبدبہ ہے، لہذا اس کی بنیاد پہ تم کئے جا رہے تھے، لیکن آج تمہیں پتا چل جائے گا کہ ہم ہیں، تم کل کہہ رہے تھے کہ ﴿من أشد منا قوة﴾ کون ہے جو ہم سے زیادہ طاقتور ہے، ہم سے زیادہ دبدبہ والا کون ہے، ہم سے زیادہ رعب والا کون ہے، ہم سے زیادہ بڑا کون ہے، ﴿أولم یروا أن اللّٰه الذی خلقھم ھو أشد منھم قوة﴾ انھوں نے غور نہیں کیا جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، آج اس کی طاقت کا مظاہرہ ہوگا ، لہذا زبانیں کھل جائیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وکنتم تستترون أن یشھد علیکم سمعکم ولا أبصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم أن اللّٰه لا یعلم کثیرا مما تعملون﴾ (حم سجدہ) یہی وہ گمان تھا کہ اللہ کو بھی معلوم نہیں جو ہم کر رہے ہیں، لہذا تم کئے جا رہے ہو، آج تمہارے سامنے حقیقت آ گئی، آج ہمارا فیصلہ ہے کہ تم جہنم میں چلے جاؤ، شور و ہنگامہ کرو، بلبلاؤ،

چیخو، چلاؤ، کوئی سننے والا نہیں ہے، کوئی حامی اور مددگار نہیں ہے، ﴿فإن يصبروا فالنار مثوى لهم وإن يستعتبوا فما هم من المعتبين﴾ (حم سجدہ)، لیکن انسان سمجھتا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیوں یہ سب کرتا ہے، کیوں یہ سب چیزیں کرتا ہے، اللہ نے آزمائش کے لئے ہمارے ساتھ ایک ایک شیطان کو بھی لگا رکھا ہے، وہ ہمیں چیک کرتا رہتا ہے، ہمارے ذہن کو بدلتے رہتا ہے اور ہمیں غلط راستے کی طرف لے جاتا ہے، جو چیز ہو چکی اس میں بھی توجیہات اور تاویلات کرتا ہے، اور آئندہ جو کرنا چاہتے ہیں اس میں بھی غلط توجیہ اور غلط تاویل کر کے غلط راستہ میں ڈالنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وزين لهم ما بين أيديهم وما خلفهم﴾ (حم سجدہ)، لہذا اس شیطان مردود سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہئے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آدھار کارڈ تو ہم سب کا بنا ہوا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کے تمام تر پہلوؤں کی اصلاح کی فکر کریں۔

☆☆☆

مساجد روحانیت کے مراکز ہیں

ألحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين قال اللّٰه عز وجل فى القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم : ﴿يهدى اللّٰه لنوره من يشاء، ويضرب اللّٰه الأمثال للناس واللّٰه بكل شىء عليم، فى بيوت اذن اللّٰه أن ترفع ويذكر فيها اسمه يسبح له فيها بالغدو والآصال، صدق اللّٰه العظيم.﴾
(النور: ۳۵-۳۶)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ اپنے نور کی طرف وہ ہدایت کرتا ہے، ان لوگوں کو جنھیں وہ چاہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے لئے مثال بیان کی ہے، وہ مثالیں دیتا ہے تاکہ مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، وہ نور ہدایت، وہ روشنی جس سے قلب مجلّٰی ہوتا ہے، بھٹکے ہوئے دماغ کو آسودگی ملتی ہے، روح کو تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ مقام کونسا ہے؟ وہ جگہ کونسی ہے؟ اللہ عزوجل فرماتے ہیں، فی بیوت وہ ان گھروں کے اندر وہ دولت ملتی ہے جس کو اللہ عزوجل نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے، جس کی پاک وصفائی کا حکم دیا ہے، اور جس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اور صبح وشام اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح خوانی کی جاتی ہے، وہ گھر کونسے

ہیں؟ فی بیوت تنوین کے ساتھ، الف لام معرفہ کے ساتھ نہیں ہے، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہ اللہ کے گھر ہیں، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، وہ مساجد ہیں ، جمہور مفسرین نے فی بیوت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد اللہ کے وہ گھر ہیں، جو اللہ کی عبادت کے لئے بنائے گئے ہیں، اور فی بیوت میں تنوین سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں عموم ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ اگر کوئی شخص بیا پرندے کے گھونسلے کے برابر مسجد بنائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے، اس سے مساجد کی عظمت کا پتا چلتا ہے، کہ اللہ کے نام پر چھوٹے سے چھوٹا کام کیوں نہ ہو، چھوٹی سے چھوٹی عمارت کیوں نہ ہو، چھوٹے سے چھوٹا گھر کیوں نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا اونچا مقام ہے، اور اس نور ہدایت کی بنیاد پر انسانی زندگی سنورتی ہے، بنتی ہے ، اور دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی سنورتی ہے، جس طرح ہر چیز کا ایک کارخانہ ہوتا ہے، جہاں چیزیں ڈھلتی ہیں، بنتی ہیں، جس طرح ہر آدمی کا ایک گھر ہوتا ہے جہاں اس کا جسم سکون پاتا ہے، ایسے ہی اللہ رب العزت نے مسجدوں کو بنانے کا حکم دیا ہے، تاکہ وہ روح کو اس کے خاص فیضان کی بنیاد پہ ہمیں حاصل ہے، اسے سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، انسان دو چیز سے مرکب ہے، ایک حیوانی جسم سے، اور ایک ملکوتی روحانیت سے، حیوانی جسم اللہ عزوجل نے اس کو مٹی سے بنایا ہے، ﴿وھو الذی خلقکم من طین﴾ (انعام: ۲)، وہ ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا ہے، ﴿منھا خلقنکم﴾ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، تو یہ حیوانی جسم اور اس کے تمام ترکیبی اعضاء سر سے لے کر کے پیر تک، زبان سے لے کر کے دل تک، یہ تمام کے تمام ترکیبی اعضاء کو اللہ رب العزت نے مٹی سے بنایا ہے، اس مادی دنیا سے اس کو وابستہ کیا ہے، لہذا اس کا

رجحان نیچے کی طرف ہوتا ہے، زمین کی طرف ہوتا ہے، زمین سے نکلی ہوئی جتنی چیزیں ہیں اس سے اس کی وابستگی ہے، ان چیزوں کو پاکر کے یہ جسم خوش ہوتا ہے، فربہ ہوتا ہے، قوت پاتا ہے، نشونما کی دولت اسے ملتی ہے، اور پرورش کی سہولتیں اسے میسر ہوتی ہیں، اس لئے کہ اللہ نے زمین سے پیدا کیا، تو یہ جسم زمین کی طرف جاتا ہے، زمین کی تمام چیزوں کی طرف جاتا ہے، اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اسی کی ذریعہ اس کی نشونما ہوتی ہے، لیکن روح جو ملکوتی صفات کی حامل ہے، اس کا تعلق عالم بالا سے ہے، جس طرح اللہ رب العزت نے یہ جسم دیا، پیدا کیا، اس رب کائنات نے عہد لیا، اور وہ عہد جس طرح آسمانی ہے، خاندانی ہے، اور جس طرح بنو اسرائیل سے اللہ نے عہد لیا، ایسے ہی بنو اسماعیل سے اللہ نے عہد کیا، ﴿وھذا کتاب انزلنٰہ مبٰرک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون ، أن تقولوا انما انزل علیٰ طآئفتین من قبلنا وان کنا عن دراستھم لغفلین او تقولوا لو أنا انزل علینا الکتاب لکنّآ اھدیٰ منھم﴾ (انعام: ۱۵۶ تا ۱۵۷) بنو اسمٰعیل سے بھی اللہ نے عہد لیا ہے، یہ کتاب مبارک ہے، ہم نے اتارا ہے، تو اس کی تم اتباع کرو اور اللہ کا لحاظ کرو اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے، یہ نہ کہہ سکو کل اللہ کے حضور میں نہیں! ﴿کنا عن دراستھم لغفلین﴾ یہ نہیں کہہ سکتے، ﴿او تقولوا انما انزل علینا الکتاب﴾ اگر ہم پہ کوئی کتاب نازل ہوئی تو ہم سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، ہم سب سے زیادہ اس کے قوانین کو، اس کے فرامین کو، اس کے احکامات کو ماننے والے اور اس پر چلنے والے ہوتے، یہ نہ کہہ سکو، تو اللہ نے پوری قوم سے، پورے قریش سے، اہل مکہ سے، اور اہل مکہ کے واسطے سے آنے والی ساری نسلوں سے عہد لیا، اور یہ روح جو ملکوتی ہے، عالم

بالا سے اس کا تعلق ہے، اللہ رب العزت نے سارے جہاں کی روحوں کو جمع کرکے یہ عہد الست لیا، عہد الست میں ان روحوں سے اللہ نے عہد لیا، ﴿الست بربکم﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سارے انسانوں کی روحوں نے اللہ کے حضور میں اس عہد کو قبول کیا ﴿قالوا بلیٰ﴾ کہ کیوں نہیں رب تو آپ ہی ہیں، آپ ہی ہمارے پروردگار ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا : یہ نہ کہنا ہم غافل تھے، ہمیں پتہ نہیں تھا یا یہ بھی نہ کہنا کہ ہمارے اباء واجداد شرک میں مبتلا تھے، کفر یہ لغویات میں پڑے ہوئے تھے، ہمارا اس میں کیا قصور ہے؟ اگر ہم اس میں پڑ گئے ہمیں کوئی بتانے والا نہیں تھا، یہ نہ کہنا، ﴿او تقولوا ما جاء نا من بشیر ولا نذیر ، فقد جائکم بشیر و نذیر﴾ ، یہ نہ کہنا کہ ہمیں خوشخبری دینے والا نہیں آیا کہ اس پر عمل کرو تو یہ ملے گا، اور نہیں کروگے تو یہ یہ سزا ملے گی، تو روح کا تعلق عالم بالا سے ہے، اور جسم کا اس زمین سے تعلق ہے، لہذا دونوں میں کشمکش ہوتی رہتی ہے، روح چاہتی ہے کہ بلندی کی طرف جائے، اور جسم چاہتا ہے کہ زمینی چیزوں کی طرف آئے، لہذا اس میں اعتدال کی ضرورت ہے، اسی اعتدال پر قائم رہنے کو اسلام کہا جاتا ہے، دنیا کے اندر یہ روح عالم بالا کی سیر کرنا چاہتی ہے، اور عالم بالا کی تجلیات کو پانے کے لئے اللہ رب العزت نے ان مساجد کے نظام کو قائم کیا ہے، لہذا جس طرح سے ہمارے لئے ہمارا گھر ضروری ہے، ایسے ہی ہمارے لئے مساجد بھی ضروری ہیں، ہمارے لئے مارکٹیں ضروری ہیں، ہمارے لئے کانفرنس کا نظام ضروری ہے، ایسے ہی ہمارے لئے مساجد بھی ضروری ہیں، جسم کے تعلق سے اگر یہ ساری چیزیں فراہم ہو جائیں تو ہم خوش ہوتے ہیں، وہ روح جو عالم بالا میں جاکر کے ہمیں اللہ کے حضور میں سرخرو کرنے کا ذریعہ ہے ہمیں اس کا لحاظ کرنے کے لئے ہمیں مساجد

ضروری ہیں، آج سپریم کورٹ فیصلہ دیتی ہے کہ مساجد ضروری نہیں ہیں، یہ بالکل غلط بات ہے، کیا وہ کہہ سکتی ہے کہ آج مارکٹیں ضروری نہیں ہیں، کیا وہ کہہ سکتی ہے کہ سڑکیں ضروری نہیں ہیں، اگر یہ جسم جو مادی ہے اور وقتی ہے، ختم ہونے والا ہے، اگر اس کے لئے ساری چیزیں ضروری ہیں تو روحانی جو ہمیشہ رہنے والی ہے، اللہ رب العزت نے اسے لفظ کن سے پیدا کیا ہے، وجود دیا ہے، اس کے لئے ضروری نہیں ہے؟ لہذا اللہ عزوجل نے اسی لئے فرمایا ﴿فی بیوت اذن اللّٰہ﴾، اللہ کے رسول فرماتے ہیں کہ من أحب الله فليحبني ،ومن أحبني فليحب أصحابي ، ومن أحب أصحابي فليحب القرآن ومن أحب القرآن فليحب المساجد فانها أفنية الله أذن الله رفعها ، وبارك فيها ، ميمونة ميمون أهلها محفوظة محفوظ أهلها هم في صلاتهم والله في حوائجهم ، هم في المساجد والله من ورائهم حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ نے فرمایا جس نے اللہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی میرے صحابہ سے اس نے محبت کی، اور جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے قرآن سے محبت کی اور جس نے قرآن سے محبت کی اس نے مساجد سے محبت کی، یہ مساجد اللہ کے افنیہ ہیں، اللہ کے صحن ہیں، جہاں پر اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں، نازل ہوتی ہیں، اللہ عزوجل نے حکم دیا خاص طور پر کہ ان مساجد کو بلند کیا جائے، ان کو اونچی کی جائے، ان کی عزت افزائی کی جائے، یہ شعائر اللہ ہیں، ان کی تعظیم کی جائے، أذن الله رفعها اللہ نے اس کے اندر برکتیں رکھی ہیں، وبارك فيها ، لوگ نماز میں مسجدوں میں ہوتے ہیں اللہ ان کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، وهم في صلوٰتهم

فی المساجد لوگ مسجدوں میں نماز میں ہوتے ہیں، اور اللہ ان کے گھروں میں ان کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے، اس لئے کہ یہ مبارک گھر ہے، اور اس میں آنے والے مبارک ہیں، یہ محفوظ گھر ہے، شیطانی وساوس سے اللہ نے اس کی حفاظت کی ہے، اور جو لوگ آتے ہیں، وہ بھی محفوظ ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے گھروں میں ان کی حفاظت کرتا ہے، اور ان کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، تو یہ مساجد ہمارے لئے ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں، اور اس روحانیت کا ثمرہ ہیں جس کو اللہ رب العزت نے مجلّٰی، مزکّٰی کرنے کا حکم دیا ہے، ﴿فی بیوت اذن اللّٰه ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والآصال﴾. **(رعد)**۔

☆☆☆

انفاق فی سبیل اللہ

ألحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد، قال اللّٰه عز وجل فى القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شيء فان اللّٰه به عليم، صدق اللّٰه العظيم﴾ (آلِ عمران)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ نیکی کو، رضا الٰہی کو تم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے، تا آنکہ اپنی محبوب شیء کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، تو جو کچھ تم خرچ کروگے وہ ضائع اور بیکار نہیں ہوگا، بلکہ اللہ کے علم میں ہے، اللہ واقف ہے، کہ کون کتنا خرچ کرتا ہے، اور کس جذبہ سے خرچ کرتا ہے، انسانی معاشرہ، یہ سماج جو انسانی مجموعہ کا نام ہے، اس مجموعہ انسانی میں امیر بھی ہوتے ہیں، غریب بھی ہوتے ہیں، آمر بھی ہوتے ہیں، مأمور بھی ہوتے ہیں، حاکم بھی ہوتے ہیں، محکوم بھی ہوتے ہیں، مفلس بھی ہیں، مالدار بھی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس معاشرہ کو بنایا ہے، اور یہ فرق اس لئے رکھا تا کہ اللہ رب العزت کا فضل جن لوگوں پر ہے، وہ اللہ کے ان بندوں کے ساتھ خیر کا، بھلائی کا، معاونت کا، مساوات کا معاملہ کریں اور ان کو بھی اوپر اٹھانے کی کوشش کریں، ان کی حاجتیں پوری کریں، ان کی ضرورتیں پوری کریں، یہ اللہ کو بے حد پسند ہے، اس کو انفاق

کہا گیا ہے، قرآن پاک کے اندر انفاق یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم ہے اور اس کی تعلیم بکثرت دی گئی ہے، اس کے علاوہ اور بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، صدقہ کا لفظ آیا ہے، زکوٰۃ کا لفظ آیا ہے، زکوٰۃ میں نمو بھی ہے اور پاکیزگی کا خاص تصور اس کے اندر پایا جاتا ہے، لیکن انفاق پر خاص طور سے توجہ دی گئی ہے، بلکہ جب پوچھا تھا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہ اللہ کے رسول! ہم کیا خرچ کریں؟ کیسے خرچ کریں؟ ﴿**یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو**﴾ (بقرہ: ۲۱۹) ،خرچ کرو، اللہ کے بندوں پہ خرچ کرو، ﴿**مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مئة حبة والله يضٰعف لمن يشاء والله واسع عليم**﴾، جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے ایک بیج جو بویا جائے اور اس میں سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سو دانہ ہوں، تو ایک بیج ڈالنے سے سات سو دانہ اسے ملتے ہیں، ایسے ہی ہمارا بندہ ایک روپیہ دیتا ہے تو اسے سات سو روپئے کا ثواب ملتا ہے، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے اور اجر میں اضافہ کرتا ہے، وہ بڑی وسعت والا ہے اور اسے خوب علم ہے کہ کون کس جذبہ سے دیتا ہے، جذبہ یہ ہو کہ اللہ راضی ہو جائے، جذبہ یہ نہ ہو کہ ہمیں لوگ یہ کہیں کہ یہ بہت خرچ کرنے والا، بڑا سخی اور بڑا فیاض ہے، قیامت کے دن انسان اللہ کے حضور میں طلبگار ہوگا، رب کریم مجھے پھر موقع دیجئے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، کیا ہے یہاں پر، ہم تو کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے، ہم تو دنیا میں بھولے ہوئے تھے، بحثوں میں، عہدوں میں، مال ومنصب میں، اپنی جماعت میں بھولے ہوئے تھے، ہمیں پتہ نہیں چلا، اب ہم نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا، اے اللہ ہمیں پھر موقع دیجئے، ہم اگر واپس دنیا میں جائیں گے ﴿**فاصدق واکن من**

الصالحین﴾ (منافقون) ،خوب خوب دیں گے، صدقہ کریں گے، نماز کا ذکر نہیں، روزہ کا ذکر نہیں، حج وعمرہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ کا، صدقہ کا، خیرات کا ذکر ہے، کہ اے اللہ ہم تیرے راستے میں خوب صدقہ کریں گے، اور نیک بن جائیں گے، تو انفاق فی سبیل اللّٰہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، تو اسی لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اتقوا النار ولو بشق تمرۃ جھنم کی آگ سے بچو، خواہ کھجور کا آدھا حصہ ہی کیوں نہ ہو، نصف حصہ، آدھا تم نے کھالیا اور آدھا اللہ کے راستے میں دے دیا، یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ انفاق کا تعلق صرف امراء سے نہیں ہے، مالداروں سے نہیں ہے، سرمایہ داروں سے نہیں ہے، غریبوں سے بھی ہے، محتاجوں سے بھی ہے، فقیروں سے بھی ہے، مساکین سے بھی ہے، یتیموں سے بھی ہے، فقراء سے بھی ہے، یعنی جو کچھ اس کی استطاعت میں ہے، وہ خرچ کرنے کا مزاج ہونا چاہئے، اللہ کے لئے، اللہ کے راستے میں دینے کا مزاج ہونا چاہئے، غزوہ تبوک کا موقع ہے، اللہ کے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا، ترغیبیں دیں کہ لوگو! اللہ کے راستے میں مال لے آؤ، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس وقت مجھے خوب دیا تھا، میں گھر گیا، اور گھر جا کر کے میں نے اپنا آدھا سرمایہ لے کر چلا اور سوچتا رہا کہ آج تو میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی بڑھ جاؤں گا، تو وہ سارا مال لاکر کے حضور ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: عمر گھر کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ کہا: حضور! گھر میں میں نے آدھا چھوڑا ہے، اور آدھا اللہ کے راستے میں آپ کے قدموں میں ڈالا ہوں، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے، حضور ﷺ نے پوچھا ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑا ہے، کہنے لگے حضور! گھر کا سارا مال اللہ کے راستے میں آپ کے قدموں میں ڈالا ہے، گھر میں اللہ اور اللہ کے رسول کا نام

چھوڑا ہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ اس معاملہ میں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کبھی بڑھ نہیں سکتا، حضرت ابودحداحؓ جب سورہ حدید کی آیت نازل ہوئی ﴿من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضعفہ لہ﴾ (حدید: ۱) اللہ کو کون قرض دے رہا ہے، جو قرض دے گا ہم اس کے مال میں اضافہ فرمائیں گے، کئی گنا اس کو عطا فرمائیں گے، حضرت ابودحداحؓ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضور! دست مبارک عطا فرمائیے، آپ نے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ پکڑ لیا اور کہا حضور! میں آپ کے ہاتھ پر اس بات کا معاہدہ کرتا ہوں کہ میرا باغ چھ سو درختوں سے بھرا ہوا ہے، اور اللہ رب العزت نے قرض مانگا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو یہ باغ اللہ کے راستے میں ہے، اور وہ باغ، اسی میں ان کا گھر تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے قبول کیا، جب حضرت ابودحداحؓ گئے تو اس باغ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کے اپنی اہلیہ کو آواز دی، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اس کو صدقہ کر دیا ہے، تو تم اس باغ سے باہر آجاؤ، انھوں نے دعائیں دیں اللہ آپ کے اس عمل کو قبول فرمائے، آپ نے بہت اچھا سودہ کیا ہے، کیسی بیویاں تھیں وہ، ہمارے صحابہ کرامؓ کو اللہ رب العزت نے خاص انتخاب فرمایا تھا، اپنے نبی پاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے، سارے انسانوں کے قلوب میں سب سے زیادہ تابندہ، سب سے اعلیٰ چمکتا ہوا قلب نظر آیا تو جناب رسول اللہ ﷺ کا تھا، اور پھر سارے انسانوں میں آپ کے بعد کسی کا دل چمکتا ہوا تھا تو وہ اصحاب رسول ﷺ کا دل تھا، اللہ رب العزت نے ان کو آپ کے ساتھ صحابیت کے لئے قبول کیا، لہذا ان کی بیویوں کو دیکھئے، انھوں نے اپنے شوہر کو دعائیں دیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عمل کو اتنا قبول کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کم من عذق معلق فی الجنة

لأبی الدحداح کتنے باغ پھلوں سے بھرے ہوئے ہیں، خوشے لگے ہوئے ہیں جو ابودحداح کے منتظر ہیں، لہذا اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، انفاق سے بے نفسی، ایثار وقربانی وتضحیہ کے صفات پیدا ہوتے ہیں اور جس معاشرہ کے اندر، جس سماج کے اندر یہ وصف پیدا ہوگا وہ سماج اٹھتا جائے گا، اور جہاں بخل آئے گا وہاں حسد آئے گا، جہاں بخل آئے گا، وہاں ایک دوسرے سے جلن پیدا ہوگی، جہاں بخل آئے گا وہاں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی فکر کی جائے گی، معاشرہ بیٹھتا چلا جائے گا، اسی لئے اللہ رب العزت نے ہمیں پاکیزہ معاشرہ دیا ہے، اس معاشرہ کو اٹھانے کے لئے، آگے بڑھنے کے لئے اللہ رب العزت نے جتنا دیا ہے اسے خرچ کرنا چاہئے، الحمد للہ اس معاشرہ میں ہم ہیں، اللہ نے جذبہ دیا ہے، ہم مسلمانوں کے اتنے بڑے بڑے ادارے جو چندے سے چل رہے ہیں، یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ہو یا دارالعلوم دیوبند ہو، یہ بڑے بڑے ادارے ہزاروں کی تعداد میں، کروڑوں روپیہ جہاں خرچ آتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہی کا مظہر ہے، اور کوئی بھی تحریک، کوئی بھی اقدام، کوئی بھی جماعت آگے نہیں بڑھ سکتی ہے، انفاق کے بغیر، لہذا انفاق کی اللہ کے نزدیک بڑی قدر ہے، شرط یہ ہے کہ بس اللہ رب العزت کے لئے خلوص کے ساتھ دیا جائے، لہذا زمانہ کے تقاضہ جو ہیں اور زمانہ کے مطابق ہمیں اس طرف دعوت دی جارہی ہے اس پر ہمیں لبیک کہتے ہوئے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے تاکہ ہم افراد کو راضی کرسکیں، ہم ضرورتوں کو، ہم تقاضوں کو پورا کرسکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

باطل کب غلبہ پاتا ہے؟

ألحمد للّه رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد ، قال اللّه عز وجل فى القرآن المجيد والفرقان الحميد، أعوذ باللّه من الشيطان الرجيم، بسم اللّه الرحمن الرحيم : ﴿ياأيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل اذااهتديتم الى الله مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم تعملون، صدق الله العظيم﴾

معزز حاضرین!

قرآن پاک کی یہ آیت ہمارے اندرون میں جھانک کر، جواس کے اندرخرابیاں پرورش پاتی ہیں، اس کی نشاندہی کررہی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کی برائی کودیکھتے ہیں، تذکرہ کرتے ہیں، لوگ بہت خراب ہوگئے ہیں، معاشرہ بڑابدل گیاہے، سماج بگڑ گیاہے، حالات خراب ہوتے جارہے ہیں، اخلاقیات کادیوالیہ ہوچکاہے، یہ ساری باتیں ہم سنتے ہیں، کہتے ہیں، اسکا تذکرہ اور چرچہ ہوتارہتاہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم خوداپنے اندرون میں جھانک کرکے یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کتنے بگڑ گئے ہیں، ہم کتنے خراب ہوگئے ہیں، ہماری اخلاقی حالت کس قدرناگفتہ بہ ہے، تو یہ سوال ہے جو ہرکس وناکس کی زبان پہ آتارہتا ہے، اوراس کا چرچہ ہوتارہتاہے، دوسراسوال عام طور پہ ذہن میں یہ آتاہے اور تذکرہ بھی ہوتاہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں کلمہ طیبہ کی دولت سے نوازا ہے،

ایمان کی امانت اللہ رب العزت نے اس کائنات اُرضی اور سماوی میں اگرکسی کو دی ہے تو ہمیں دی ہے، اس کے باوجود ہم کیوں آج دنیا کے نقشہ میں بے حقیقت ہوتے چلے جارہے ہیں، کیوں ہماری تحقیر کی جارہی ہے، کیوں ذلت و رسوائی کا سماں نظر آرہا ہے، کیوں حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جارہے ہیں، کیا ہم حق پرنہیں ہیں؟ کیا ہمارے پاس قرآن پاک نہیں ہے؟ کیا ہمارے پاس سیرت نبوی نہیں ہے؟ کیا ہمارے پاس احادیث نبویہ کا ذخیرہ نہیں ہے؟ کیاہمارے پاس حالات سے نمٹنے کے لئے نمونہ نہیں ہیں؟ یہ اوراس قسم کے سوالات ذہن میں آتے رہتے ہیں۔

حضرات!

اسی کا جواب اگراس آیت کریمہ میں غورکیا جائے تو موجود ہے، جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا **﴿ياأيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل اذااهتديتم﴾** اے ایمان والو! اپنی خبرلو، اپنے اوپرنظر رکھو، اپنے آپ کو بنانے کی فکرکرو، وہ شخص جوراہ حق سے بھٹک چکاہے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہونچاسکتاہے، اللہ کی طرف تم سب کولوٹ کرکے جاناہے اور جوکچھ تم کررہے ہو یا کرتے رہوگے، وہ مالک تمہیں اس سے باخبر کرے گا، بتائے گا کہ تم نے یہ یہ کام کیئے تھے، لہذا ہم اگراپنی فکرکریں توان ساری چیزوں کے تعلق سے جوسوالات پیداہوتے ہیں، اس کی ضرورت ہی نہیں ہوگی، وقت ہی ہمارے پاس نہیں ہوگا کہ ہم اپنے سے ہٹ کرکے دوسرے اوردوسروں سے ہٹ کرکے صدیوں تک کسی پر انگشت نمائی کریں، اورکسی معاشرہ کو بربادی اورخرابی کی طرف لے جانے والوں کی نشاندہی کریں، اسکا موقعہ ہی نہیں ہے، اور جب یہ کیفیت ہوگی توانشاءاللہ معاشرہ خودبخود صالح ہوگا ہرفرد فکرکرے گا، ہرفرد صلاح

کی طرف جائے گا، ہرطرف اچھائی کو لینے کی فکر کرے گا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ برائی پیدا ہو،لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھتے ہیں کہ وہ برا ہے، ہم دوسروں پر گمان کرتے ہیں کہ وہ برائی میں پھنسا ہوا ہے، لہٰذا اصلاح معاشرہ کی ساری تحریکیں بھی چل رہی ہیں، بڑے بڑے جلسے بھی ہوتے ہیں، اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ہوتے ہیں، اوراس میں قرآن وسنت کی روشنی میں صلاح وفلاح کی ضمانت دی جاتی ہے، لیکن بجائے اس کے کہ معاشرہ سدھرے کچھ خرابیاں اورابھرتی ہوئی نظر آتی ہیں، وجہ کیا ہے؟ کہ ہم اپنے اوپر، اپنے دائرے میں جو برائیاں ہیں، ان کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ دوسروں طرف دیکھتے ہیں کہ وہ خرابی کیوں دورنہیں کرتا، یہ ایک بڑی خرابی ہے، اسی لئے مسلم شریف کی روایت ہے، اللہ کے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: اذا قال هلك الناس فهو أهلكهم ،چھوٹی سی حدیث ہے الفاظ کے اعتبار سے، بہت مختصر ہے، لیکن بڑی جامعیت رکھتی ہے یہ اپنے اندر، کہ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ لوگ خراب ہوگئے، لوگ ہلاک ہوگئے، لوگ بگڑ گئے، تو سب سے زیادہ بگڑنے والا وہی شخص ہے، سب سے بگڑا ہوا وہی ہے، وہ اپنے اوپر غور نہیں کرتا، اپنے حالات پر غور نہیں کرتا، اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا، اپنے کردار کو نہیں دیکھتا، تو جب یہ بات چرچہ میں آتی ہے، اور انسان کہہ کر گزر جاتا ہے، تو حقیقت میں اس سے برائی کا فروغ ہوتا رہتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہم حق پر ہیں، تو حق تو غالب ہونے کے لئے آیا ہے، حق مغلوب ہونے کے لئے نہیں آیا ہے، الحق يعلو ولا يعلىٰ عليه، حق سربلند ہے کبھی وہ سر جھکا نہیں سکتا، کوئی طاقت اس کو جھکا نہیں سکتی، لیکن کیا بات ہے، ہم حق پر ہیں، سارے ادیان ، سارے مذاہب باطل ہیں، اللہ کی نظر میں اس کی کوئی عزت وحقیقت نہیں ہے،

اگر حق ہے تو وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ لے کر کے آئے اور جو قرآن و سنت کی شکل میں ہمارے سامنے، ہمارے پاس موجود ہے، شریعت حقہ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، وہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ﴿هو الذی أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون﴾، اللہ نے تین دفعہ یہ آیت قرآن پاک میں اتاری ہے، اوراخیر میں فرمادیا کہ ﴿وكفىٰ بالله شهيدا﴾ اللہ شاہد ہے اوراس کی شہادت کافی ہے، اس بات پہ کہ حق کو کبھی جھکایا نہیں جاسکتا، حق کو وہ غالب کر کے رہے گا، پھر کیا بات ہے؟ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بڑے پتے کی بات اس موقع پر لکھی ہے، انھوں نے فرمایا کہ حق غالب ہونے کے لئے آیا ہے، لیکن یہ مغلوب اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اندر کوئی باطل آجائے، اور باطل مغلوب ہوتا ہے، لیکن اس کے اندر جب کوئی حق آتا ہے تو وہ غالب ہوتا ہے، حق کی بات باطل میں آجائے تو باطل کو فروغ ہوتا ہے، اور باطل کی بات حق میں آجائے تو حق مغلوب ہونے لگتا ہے۔

آج سماجی زندگی میں، معاشرتی زندگی میں، سماجی انصاف کے دائرے میں حق کے ساتھ باطل جب آگیا، تو ظاہر ہے کہ حق مغلوب ہوتا چلا جائے گا، اس کی مثال انھوں نے بڑی اچھی دی، کہا دیکھو! غزوہ اُحد کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے پچاس تیراندازوں کو، حضرات صحابہ کرامؓ کو متعین کیا تھا اور کہا تھا وہاں سے ہٹنا نہیں، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ کفار کو شکست ہوچکی، اپنے مال واسباب کو چھوڑ کر وہ بھاگے چلے جارہے ہیں، اورلوگ مال غنیمت کو سمیٹ رہے ہیں، ان کے تعاون کے لئے جذبہ پیدا ہوا اور وہ اتر گئے، ان کے سپہ سالار نے، ان کے ذمہ دار نے کہا کہ نہیں! ایسا نہ کرو لیکن انھوں نے سمجھا کہ اب رہنے کی کیا

ضرورت ہے، وہ یہ سوچ کر وہاں سے اتر گئے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان حق تھا لیکن اس میں ذرا سا تسامح ہوا، اور تسامح بھی اجتہادی تھا لیکن اس کا اثر شکست کی شکل میں بظاہر ظاہر ہوتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ حق کے ساتھ تھوڑا سا باطل آگیا، فرمایا کہ غزوہ حنین کے اندر تیس ہزار کی تعداد تھی، اور ذرا سا یہ خیال آگیا کہ آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، **﴿اعجبتكم كثرتكم فلن تغن عنكم شيئاً فضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم وليتم مدبرين﴾** ،لکھا ہے کہ ذرا سا خیال آگیا کہ آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دکھا دیا کہ شکست اور فتح کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے، میں چاہتا ہوں تو شکست ہوتی ہے، اور میری چاہت پر ہی فتح ہوتی ہے، نہ کثرت پہ، نہ عدد پہ بلکہ ہمارے فیصلے اور حکم پہ یہ موقوف ہے، لہذا غزوہ حنین میں جو شکست کی شکل سامنے آئی وہ اسی لئے آئی تھی کہ آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، غزوہ طائف کا محاصرہ ہے، بڑے بڑے قلعوں کا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے محاصرہ کیا ہے، وہ سارے قلعہ فتح ہوگئے، بنو قریظہ کا قلعہ ہو، بنو نضیر کا قلعہ ہو، خیبر کا قلعہ ہو، سب کے سب مفتوح ہوئے، اب طائف کا قلعہ ہے اس کا محاصرہ جاری ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے طویل حصار کے بعد ایک دفعہ اپنے اصحاب سے کہا کہ چلو واپس چلتے ہیں، صحابہ نے کہا حضور! واپس چلیں گے بغیر فتح کئے ہوئے؟ یعنی آپ موجود ہوتے ہیں تو قلعہ فتح ہوتے ہیں، سارے قلعہ فتح ہوئے ہیں اور آج یہ قلعہ فتح کیوں نہیں ہوا؟ بغیر فتح کے ہم واپس جائیں گے؟ اللہ کے رسول ﷺ مسکرائے اور کہا ٹھیک ہے، کل صبح پھر حملہ کریں گے، صبح کو جب حملہ ہوتا ہے، اور صحابہ کرام کی کثیر تعداد زخمی ہو جاتی ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا واپس چلیں، سب لوگ ہتھیاروں کے ساتھ واپس چلے آئے، اس پہ اگر غور کریں تو اس

حدیث کے اندر یہ بات آتی ہے کہ یہ خیال آگیا تھا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے قلعہ فتح ہو کر رہے گا، اللہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ قلعہ ہمارے حکم سے فتح ہوتا ہے، کسی اور کے حکم سے فتح نہیں ہوتا، لہذا حق میں اگر باطل کی آمیزش ہوتی ہے تو وہیں حق مغلوب ہوتا ہے، لہذا جو ہم نے اللہ کی رضا کے لئے کیا ہے، اس کی فکر کریں کہ اس میں باطل نہ آنے پائے، اس کی ہمیں فکر کرتے رہنا چاہئے، اللہ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

سنت کی تاثیر

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین : امابعد! قال اللہ عزوجل فی القرآن المجیدوالفرقان الحمید، اعوذباللہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم ، فلیحذرالذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنہ اویصیبھم عذاب الیم ، صدق اللہ العظیم.

معزز حاضرین!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس دنیا کو آباد کرنے کا فیصلہ فرمایااوراس فیصلہ کے حوالہ سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کو یہاں آنے کا حکم ہوا، جب وہ آنے لگے تو انہیں ایک بشارت سنائی گئی، وہ بشارت یہ تھی ’’**وامایأتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون** ‘‘بشارت یہ تھی کہ ایک اجنبی جگہ جانا ہو رہا ہے وہاں مونس وغم خوار کوئی نہیں ہے، ہوسکتا ہے اور یقیناً ایسا ہی تھا کہ وہ ماحول اس میں سکون کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے، وہ ماحول جہاں وہ جارہے ہیں، اس کے برعکس تھا، جہاں کچھ کرنا نہیں تھا۔ بغیر کئے ہوئے نعمتیں وافر مقدار میں موجود تھی، اور جہاں جانا ہو رہا ہے، وہاں کچھ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کہ وہاں جا کر خوف اور غم نہ ہو، سرور اور کیف کی زندگی رہے، خوشی اور مسرت کی زندگی رہے۔ اس کے لئے اللہ نے فرمایا کہ میری جانب سے تمہارے پاس ایک ہدایت نامہ آئے گا، جو اس پر عمل کرے گا، جو اس کی اتباع

کرے گا نہ اس پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ آئندہ آنے والے حالات پر خوف پیدا ہوتا ہے، اور ماضی میں یا پہلے جو چیزیں گذر گئیں، اور اس کو سوچ کر کے انسان یہ سمجھتا ہے کہ نفع تھا ہم سے وہ نفع چھوٹ گیا۔ ہمیں یہ فائدہ مل سکتا تھا ہم سے یہ فائدہ چھوٹ گیا، ہمیں یہ چیز مل سکتی تھی، ہم اس سے دور ہوگئے، محروم ہوگئے تو ایسی صورت میں اسے غم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت لی کہ اس ہدایت نامہ پر عمل کروگے، اس قانون الٰہی کی اتباع کروگے، تو ’’**فلاخوف علیھم ولاھم یحزنون** ‘‘ تو اللہ عزوجل نے قانون کا سلسلہ وہیں سے مقرر فرمادیا۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جنت سے ان کو اس دنیا کے اندر بھیجا گیا اور دنیا کو آباد کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

قانون کا مزاج یہ ہے کہ قانون خود ہمارے گھر میں نہیں آتا۔ البتہ قانون ہمارے وجود پر آکر مسلط نہیں ہوتا ہے، البتہ قانون کو ہم دعوت دیتے ہیں، قانون کو ہم بلاتے ہیں، تب قانون آتا ہے۔ لہذا اللہ عزوجل نے وہ قانون فراہم کیا اور پہلے دن سے بشارت دی، وہ قانون دنیا کے اندر بھی ہمیں سرفرازی اور کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے مقاصد، اور اس کے ثمرات ونتائج بہتر سے بہتر ثابت ہوں گے۔ لیکن قانون میں ایک قانون ہے جسے ہم عصری کہتے ہیں، جسے ہم مادی کہتے ہیں، جسے ہم حکومتی کہتے ہیں، نگران اعلیٰ کی طرف سے کچھ قوانین ہوتے ہیں، وہ قوانین بھی ہیں۔ ان کا تعلق ہماری اس مادی زندگی کے ساتھ ہے، لیکن اخروی زندگی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، مرتے ہی اس کی افادیت ختم، اس کی نافعیت ختم، اسکی صالحیت ختم، اس کی اہمیت ختم، لیکن اخروی قانون جس کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ’’**ثم جعلناک علی شریعۃ فاتبعھا ولاتتبع اھواء الذین لایعلمون** ‘‘ یہ قانون الٰہی ہے، اللہ نے

اس کا مکلّف فرمایا ہے، یہ دنیا و آخرت کی سرفرازیوں کو لے کر کے اپنے جنون میں آتا ہے، لہذا ایک مسلمان کے لئے، ایک صاحب ایمان کیلئے یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہر معاملہ میں، جس طرح وہ عقائد میں عبادات میں اس قانون الٰہی کو مانتا ہے، جس طرح وہ معاملات میں معاشرت میں، اور اخلاقیات میں بھی یقین رکھے۔ اسلام کے ہر شعبہ میں قوانین الٰہی کا نفاذ ہمارا فرض بنتا ہے، سب سے زیادہ آج ہم جو پریشان ہیں، ہم سے جو چوک ہو رہی ہے وہ معاشرتی پہلو ہے، معاشرتی پہلو کے حوالہ سے یہ بات کہی جائے کہ کل جو بل پاس ہوا ہے ہمارے پارلیمینٹ میں، طلاق ثلاثۃ کے تعلق سے اس کے تعلق سے بہت ساری باتیں کہی گئی اور بہت سے مشورہ دیئے گئے لیکن ظاہر ہے جب کوئی قانون سیاست کے دائرے میں آتا ہے، سیاسی مصالح پیش نظر ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں نہ کسی کے مشورے کو قبول کیا جاتا ہے، نہ کسی جمعیت کے تعلق سے سوچا جاتا ہے اسلئے کہ پیش نظر سیاسی فائدہ ہوا کرتے ہیں۔

لہذا وہ قانون پاس ہو گیا جس کے تحت اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو ایسی صورت میں اگر وہ کورٹ چلی جاتی ہے یا اس کے خونی رشتہ داروں میں سے اگر کوئی کورٹ جاتا ہے اور اس کے خلاف وہ اپیل کرتا ہے، تو اسے تین سال کی قید دی جائے گی، جیل بھیج دیا جائے گا۔ یہ قانون پاس ہوا ہے، یہ قانون اپنی جگہ ہے، یہ قانون ہمارے اوپر ہمارے گھر میں نہیں آئے گا، یہ قانون ہمیں آ کر کے ہاتھ نہیں پکڑے گا، بشرطیکہ ہم خود قانون کو بلانے والے بن جائیں، لہذا ہم اللہ کے رسول ﷺ کا حکم پر اگر عمل کریں گے تو یہ جابرانہ، ظالمانہ قوانین جتنے چاہیں بنتے رہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ پر عمل کرنے والے عمل کرتے رہیں تو ہمارا کوئی کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا ہے۔

اسی وقت بگڑے گا جب ہم اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف کریں گے، یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اسی حقیقت کو واضح انداز میں ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے کہ مسلمانوں کان کھول کر سن لو کہ "**فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنة اویصیبھم عذاب الیم**" ڈریں وہ لوگ جو آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اللہ نے حضور ﷺ کے حوالہ سے فرمایا، اللہ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اللہ کی خلاف ورزی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو کیا ہوگا؟ کیا ملے گا؟ ان کا حشر کیا ہوگا؟ انہیں کسی فتنہ میں، آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے گا اور یہی نہیں بلکہ دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے، لہذا میں صاف صاف کہتا ہوں، قسم کھانے کی ضرورت ہو تو قسم کھا کر آپ کے سامنے کہتا ہوں کہ آج دنیا کے اندر جو پریشانیاں ہیں، جو آزمائشیں ہیں اور طرح طرح جو چیزیں آ رہی ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ سب ہماری کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ ہم نے حق تلفیاں کی، ہم نے قانون الٰہی کو اپنے اوپر نافذ کرنے میں جسطرح کی شکل تھی اس سے دور رہے، اس سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہے اور آزمائشیں آتی ہیں، لہذا یہ شکل جو ہمارے سامنے ہے ہم نے اس میں کوتاہی کی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کا جو طریقہ ہے، نکاح کس قدر بابرکت عمل ہے، ایسی عبادت کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ نکاح کے وقت دولہا "قبلت" کہتا ہے، میں نے قبول کیا تو اسی وقت سے گویا عبادت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، نماز وقتی ہوتی ہے، رمضان کا مہینہ ہے، روزہ رکھ لیا، سال کے پورا ہونے پر زکوۃ ادا کر دیا، زندگی میں ایک دفع حج کو چلے گئے،

یہ ساری عبادتیں مکمل ہوجاتی ہیں لیکن جس وقت دولہانے ’’قبلت‘‘ کہاتو یہ عبادت زندگی کے آخری مرحلہ تک قائم ہے، اور عبادت اسی وقت عبادت ہوگی جب ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی لئے وہ آیت تلاوت کی جاتی ہے ’’یاایھاالذین امنوااتقوالله حق تقته ولاتموتن الاوانتم مسلمون‘‘ (اے ایمان والو! اللہ کا لحاظ کرو، اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ کیا ہے؟ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ کے حکم کے مطابق کرنا)۔

حضرت امام مالکؒ پاس کسی نے تربوز بھیجا، فرمایا کہ تربوز کھانے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے کس طرح کھایا؟ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں، کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب یہ معلوم نہ ہوکہ اسے کھانے کا سنت طریقہ کیا ہے، لہذا اپنی زندگی میں سنت پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، سنت کے مطابق اگر ہم زندگی گذاریں گے تو کامیاب ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غمگین بیٹھے ہوئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کیا بات ہے، کیوں غمگین ہو؟ کیا میں سوچ رہا ہوں کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ہوں، فرمایا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق لیں گے اور دیں گے تو آپ خلیفہ ہیں۔ اگر اپنے اختیار سے لیں گے اور دیں گے تو بادشاہ ہیں، فرمایا کہ بات سمجھ میں آگئی، گویا زندگی کے اس قافلہ میں ہماری تمام تر کاوشیں، ہماری تمام تر سرگرمیاں تمام تر ہماری محنتیں اگر سنت کے مطابق ہیں تو ان شاء اللہ! اللہ کی نصرت کے فیصلہ ہوں گے اور اگر اس کے خلاف ہے تو اللہ تعالی کی طرف سے ہمیں محرومی کے اسباب نظر آئیں گے اور اس کے ذریعہ ہمارا فیصلہ ہوگا، اللہ رب العزت ہم سب کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے والوں میں شامل فرمائے اور تمام چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور محرومی کے فیصلہ ہوا کرتے ہیں۔

نجات صرف اسلام ہی میں ہے

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلاهادى له، ونشهد ان سيدنا ومولنا محمدا عبده ورسوله، امابعد! قال الله عزوجل فى القرآن المجيد والفرقان الحميد، اعوذبالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم، ’’ان الدين عند الله الاسلام، وما اختلف الذين اوتواالكتب الامن بعد ماجاء هم العلم بغياً بينهم، ومن يكفر بآيات الله فان الله سريع الحساب، صدق الله العظيم.

معزز حاضرین!

سورہ آل عمران کی چند آیتیں جو آج تلاوت کی گئی ہیں، ان میں یہ آیت بہت اہم ہے، جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، پہلی بات تو یہ سمجھنے کی ہے کہ قرآن پاک کا نزول سب سے پہلے جن آیتوں کے ذریعہ ہوا وہ سورہ علق کی پانچ آیتیں ہیں، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ’’**اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم**‘‘ یہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں اور اس بعد کے مکہ میں بہت سی آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں، چنانچہ آپ اگر قرآن پاک میں دیکھیں گے تو دو قسم کی سورتیں ملتی ہیں ایک کو مکی کہا جاتا ہے اور دوسرے کو مدنی

کہا جاتا ہے، مکی سورتوں کا تناسب مدنی سورتوں کا مقابلہ میں کئی زیادہ ہیں، لیکن قرآن پاک کا آغاز جو ہوتا ہے سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے ہوتا ہے، اور سورہ بقرہ میں مدنی آیتیں ہیں، سورہ بقرہ مدنی سورہ ہے۔ سورہ آل عمران مدنی سورہ ہے، سورۃ النساء مدنی ہے، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ترتیب کے اندر قرآن پاک میں یہ ترتیب کیوں رکھی گئی؟ ایک دفعہ یہ سوال حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم (جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر ہیں) تو انہوں نے بڑا اہم جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے سورۃ البقرہ سے اس کا آغاز فرمایا۔ اور سورۃ البقرہ میں جو مضامین ہیں وہ براہ راست بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہیں، یہود کو مخاطب کرتے ہیں، اور سورہ آل عمران میں جو مضمون ہے وہ مسیحیت کو مخاطب کرتی ہے۔ لہذا امت اسلامیہ کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کے لئے کہ تمہارا سامنا، تمہارا سابقہ ان دونوں قوموں کے ساتھ ہوگا۔ یہود کے ساتھ بھی، نصاریٰ کے ساتھ بھی، لہذا! اسکو قرآن پاک میں ترتیب کے اعتبار سے مقدم کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ ہمیشہ اپنی اقلیت، اپنے فہم و فراست، اپنے علم و میزان، اپنے ہوش و خرد کے ساتھ ساتھ اپنی قوت و طاقت کو شامل کر کے اسلام کے خلاف ہمیشہ پیش پیش رہیں گے۔ اور طرح طرح کی سازشیں کریں گے، تدبیریں کریں گے، ان میں سب سے بڑی اور خطرناک سازش جو اسلام کو متہم کرنے والی ہوگی وہ خواتین کے تعلق سے ہے، اس لئے اللہ نے آل عمران کے بعد سورۃ النساء لکھا، اور نساء کے معنی خواتین کے ہیں، اس سورہ کے اندر خواتین کو اسلام نے کیا مقام عطا فرمایا ہے، کیسی سرفرازی ان کو عطا کی ہیں، ان کے کتنے احکامات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، اجمال نہیں بلکہ تفصیل کے ساتھ اس کو بیان

کیا ہے تاکہ کہیں کسی کو، کسی گوشہ میں، کہیں بھی کسی زاویہ نظر سے کسی بھی نقطۂ نظر سے اگر ہم اس پر نظر ڈالیں اور اگر انصاف کا تقاضہ شامل حال ہے تو پھر کہیں بھی گنجائش باقی رہے گی۔ سورہ نساء کے بعد جو آزمائش کی دہلیز ہے جہاں آزمائش ہوتی ہے وہ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ لہذا سورۃ المائدہ اس کے بعد ہے، لہذ کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”**کلوا ممافی الارض حلالا طیباً**“ اے لوگو! کھاؤ، اللہ نے کھانے کے لئے تمہارے آنے سے پہلے غذاؤں کا انتخاب فرمالیا۔ لیکن پاکیزہ غذائیں تمہارے لئے رکھی ہیں، غذائیں تو بہت کچھ بن سکتی ہیں لیکن اللہ رب العزت نے انسان کے لئے جو اشرف المخلوقات کا تمغہ اسکو عطا فرمایا ہے اسلئے پاکیزہ غذا ہے۔ ”**کلوا ممافی الارض حلالا طیباً**“ وہ حلال بھی ہے، اور پاکیزہ بھی ہے، شیطان تمہیں ان چیزوں کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے جو ناپاک ہیں، حلال نہیں ہیں، خباثت سے بھری ہوئی ہے، ان کو کھلانے کی کوشش کرتا ہے، شراب کی طرف لے جاتا ہے، خنزیر کی طرف لے جاتا ہے، اور نہ جانے کن کن چیزوں کی طرف لے جاتا ہے، اور اللہ نے جس کو واقعتاً حلال کیا ہے لیکن اسکو بھی اس طریقہ سے اس عمل میں لے آتا ہے جس سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے، لہذا ”**ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین**“ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، تو قرآن پاک کی یہ ترتیب ہمیں اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ ہم ان کا جواب، انکا مقابلہ اور ان سے بات کرنا چاہتے ہیں تو قرآن پاک کو چھوڑ کر نہیں کر سکتے، قرآن پاک ہی وہ ہے جو ہماری رہنمائی کرتا ہے، قرآن پاک ہی وہ ہے جو ہمیں راستہ دکھاتا ہے، اور قرآن پاک وہ ہے جو صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ ”**ان الدین عنداللہ الاسلام**“ ادیان تو بہت ہو سکتے ہیں، لیکن وہ دین جسکو اللہ نے اب قبول

فرمالیاہے وہ اسلام ہے۔'' وماااختلف الذین اوتوالکتب الامن
بعدماجاء ھم العلم بغیا بینھم " اختلاف ہوگا،لوگ اختلاف کریں گے
لیکن انہوں نے اختلاف حق کوقبول کرنے کے جذبہ سےنہیں کیا،'' **الامن**
بعدماجاء ھم العلم بغیاَ بینھم" اللہ کےاحکام کواللہ کی نشانیوں
کا جوانکار کرے گا، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے، یہ زندگی چندروزہ
کی ہے، اصل دین جوہے وہ اسلام ہے، جس پرہمیں per fect طور پر، قطعی
طور پر یقین رکھنا چاہئے، ایک بات اور میں کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں ہم لوگوں سے
بہت بھول ہوجاتی ہے، بڑے خطرے میں ہم ہوتے ہیں، اپنے ایمان کا ہم سودہ
کرلیتے ہیں، جب کوئی stage پر کھڑے ہوکر کے کہتا ہے کہ سارے ادیان
یکساں ہیں، سارے مذاہب یکساں ہیں، لیکن یہ کہنا غلط ہے مذاہب قبولیت کے
اعتبار سے اپنے اپنے اس میں ہیں، لیکن اللہ کے یہاں قبولیت کے اعتبار سے
یکساں نہیں ہیں، دنیاکے اوراجتماعی زندگی ومعاشرتی زندگی میں رہنے کے
اعتبار سے قبولیت کے اعتبار سے ہوسکتے ہیں، لیکن اللہ کے یہاں قبولیت کے
اعتبار سے سوائے اسلام کے اورکوئی مذہب نہیں ہے۔'' "**ان الدین عنداللہ
الاسلام**" بے شک یہ میرا راستہ ہے "**ان ھذاصراطی مستقیمافاتبعوہ
ولاتتبعواالسبیل فتفرقبکم عن دینہ ، ذلکم وصّکم بہ لعلکم
تتقون**" اسی پرچلو،اسی کی اتباع کرو' **ولاتتبعواالسبیل** "وہ بہت سے راستے
ہیں، لیکن ہم نے اس راستے کاانتخاب کیا اگر اورراستوں کاانتخاب کروگے، تووہ
راستہ تمہیں اصل راستہ سے جدا کردے گا،'' جواللہ کاخاص راستہ ہے اسکواس نے
منتخب کیاہے۔۔اور یہ ہمارے بندے اسی راستے سے آئیں۔اور آپ دیکھتے ہیں
کہ ملک کاوزیراعظم ہوتا ہے، ملک کا صدر ہوتا ہے، ملک کی کوئی vip شخصیت

ہوتی ہے تووہ جب کہیں جاناچاہتے ہیں تواس کے لئے راستہ کاروٹ
مقرر کردیاجاتا ہے، اسی روٹ سے وہ جاتا ہے، حالانکہ اس کے علاوہ بھی بہت
سے روٹ اورراستے ہیں، لیکن choice وہ خودنہیں کرتا، choice اس
کاپروٹوکول کرتا ہے، اسی کومتعین کیاجاتا ہے، ہمیں یاد پڑتا ہے کہ دارالعلوم ندوۃ
العلماء میں نائب صدرجمہوریہ حامدانصاری تھے، حضرت مولاناسیدمحمدرابع
صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم، اس سے ملاقات کے لئے آتے ہیں، جب وہ
دارالعلوم میں داخل ہوتے ہیں توجو پرانی بلڈنگ ہے، سوسال پرانی بلڈنگ ہے
وہاں جب پہونچتے ہیں تودوراستے ہوتے ہیں، ایک ذراگھوم کرکے وہاں
پہونچتاہے مہمان خانہ تک جہاں حضرت کاقیام ہے، اورایک راستہ سیدھاجاتا ہے
، جب وہ آئے توانہوں نے جوسیدھاراستہ تھااس کا choice کیا کہ اس راستہ
سے جائیں گے، ادھر سےنہیں جائیں گے، اس میں ایک جگہ بریکر کاتھا، تاکہ طلباء
خاص طور سے گاڑی لے کربہت تیزی کے ساتھ نہ گذریں، کہیں حادثہ نہ ہوجائے
، توپہلے سے بریکرندوہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ حکومت والے اس
بریکرکوکھدوارہے ہیں، سرکاری عملہ پہلے سے آکراس کوکھدوارہاہے، اس
کوبرابرکررہے ہیں، تاکہ اگر یہاں سے صدرجمہوریہ آئے تواس کی گاڑی ذرہ بھی
slow ہونے نہ پائے، اس کی گاڑی کہیں slow ہونے نہ پائے، مجھے اسی وقت
خیال آرہاتھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لئے جوروٹ مقرر کیاہے
اس میں slow کی گنجائش نہیں ہے، اور جب روٹ مقرر کردیا گیا توصدرجمہوریہ
بھی اسی طرف سے جاتا ہے، اس صدرجمہوریہ کا کیااعزاز جوفانی ہے، چندسال
کے لئے یہ صدرجمہوریہ رہے گا، اللہ رب العزت نے اس سے اونچامقام اس
امت محمدیہ کوعطا فرمایاہے، اشرف المخلوقات اس کوبنایاہے، اس کے لئے جوروٹ

مقرر کیا گیا ہے اسے کوئی c h a h g e نہیں کرسکتا، دوسروں نے توchange کرلیا توchange کئے ہوئے راستے کو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حق ہے؟ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب برابر ہے، کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب یکساں ہیں؟ لہذا ہم کو یہ بھول ہوجاتی ہے کہ ہم یہ کہیں کہ سارے مذاہب یکساں ہیں اگر سارے مذاہب یکساں ہیں تو توحید اور شرک کی بات کہاں رہی ؟ توحید توحید ہی ہے دو نہیں ہوسکتا، اسی لئے امام بخاریؒ نے بے شمار فصلیں قائم فرمائی ، بے شمار ابواب قائم فرمائے ہیں لیکن پہلی کتاب ''کتاب الایمان ''اور آخری کتاب ''کتاب التوحید'' رکھی، تو ایمان اور توحید دونوں ایک ہیں یا نہیں ؟ کتاب الایمان میں ایمانیات کے تعلق سے صاف بحث کی گئی ہے اور کتاب التوحید میں ان مذاہب کا ذکر ہے، جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا اور سیدھے راستہ سے ہٹ گئے ۔ جو اس زمانہ کے معتزلہ کہلائے ، قدریہ کہلائے ، جبریہ کہلائے ، جھمیہ کہلائے ، کرامیہ اور خورج کہلائے ، ان حضرات کے رد میں کتاب التوحید لایا گیا اور ثابت کیا گیا، لہذا اصل مذہب کیا ہے؟ وہ دین اسلام ہے، ''ان **الدین عنداللہ الاسلام ، وما اختلف الذین او توا الکتب الامن بعدماجاء ھم العلم بغیاً بینھم** '' اسلام کا راستہ سیدھا راستہ ہے، یہ اللہ کا راستہ ہے، ایک اختلاف ہوتا ہے، ایک مخالف ہوتی ہے، اسلام نے اختلاف کی گنجائش دی ہے، اور مخالفت کی گنجائش نہیں دی ہے، بلکہ اگر میں یوں کہوں کہ اختلاف اگر منشائے الٰہی ہے، منشائے رسول ہے، تو یہ بات غلط نہیں ہے، کیونکہ جو آج ہی میری تلاوت جو ہورہی تھی ، تو میرا ذہن اس طرف جارہا تھا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ خواتین جن کو طلاق دی جائے تو ان کے لئے تین قروء ہیں، ''**یتربصن ثلاثۃ قروء ، ولایحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی**

ارحامھن ''، جن خواتین کو طلاق دی جائے ان کی عدت تین قروء ہے، تو قروء کے معنی حیض کے بھی آئے ہیں اور طہر کے بھی آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا یا نہیں معلوم؟ اگر اللہ تعالیٰ حیض استعمال کرتے تو اختلاف ہوتا یا نہیں ہو؟ ثلاث حیض کہہ دیتے ، لیکن قرآن پاک نے حیض نہیں کہا ہے، قرآن پاک نے قروء کا لفظ استعمال کیا ہے ، ایسے ہی طہر کا لفظ آیا تھا، ثلاثۃ اطہار ہوجاتا تو کوئی اختلاف نہیں ہوتا، لیکن قروء کا لفظ استعمال ہوا ہے، اللہ کو معلوم تھا کہ یہ اختلاف ہوگا، کہ کوئی قروء سے طہر لے گا اور کوئی حیض لے گا، لیکن یہ اختلاف عمل کے لئے ہے، مخالفت کے لئے نہیں ہے، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ اغلاق کی طلاق قابل قبول نہیں ہے، اور اغلاق کے معنی لغت میں پاگل کے ہیں، جنون ودیوانگی کے آتے ہیں ، اور اغلاق کے معنی یہ بھی آتے ہیں جو نشہ میں مست ہو، جسے نشہ چڑھا ہوا ہو، اور اغلاق کے معنی جبر واکراہ کے بھی آتے ہیں۔

اگر کوئی فطری طور پر پاگل ہے ، دیوانہ ہے ، اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی ، اسلئے کہ اغلاق کے معنی جبر واکراہ اور پاگل ودیوانہ کے آتے ہیں ، اور جبر واکراہ کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کو پکڑ کر زبردستی طلاق لے لی جائے ، طلاق دو ورنہ ابھی تمہیں قتل کردیا جائے گا، تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی ، یہ جبر واکراہ والی طلاق ہے ، اللہ کے رسول ﷺ فسیح اللسان ہیں، اور آپ ﷺ کی زبان وحی کی زبان ہے ، اور آپ ﷺ نے اغلاق کا لفظ استعمال فرمایا، لیکن یہاں پر اغلاق کی جگہ جنون بھی لاسکتے تھے ، یہ اختلاف عمل کے لئے ہے ، لڑنے اور جھگڑنے کے لئے نہیں ہیں ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے ، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے، اور اسی طرح حضرت عمرؓ کو دیکھئے اگر وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتے تو ڈانٹتے تھے،

پٹائی کرتے تھے،اس میں ہاتھ کا زیادہ استعمال ہوتا ہے،لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عمرؓ سے کبھی لڑائی نہیں کی ،مخالفت نہیں کی ، وہ ایک بات کو صحیح سمجھتے تھے اور یہ دوسری بات کو صحیح سمجھتے تھے،لیکن تقلید نہیں کی جاتی تھی کہ یہ غلط ہے، بلکہ یہ کہا جاتا تھا کہ اس کو کرو یہ بہتر ہے ، اسی طرح علامہ ابن قیمؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان کے سیکڑوں مسائل کے اختلاف کو نقل کیا ہے، یہ اختلاف کا ہونا، اختلاف کا باقی رہنا اللہ کی طرف سے ہے، اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ سب ایک ہو جائیں ، ایک ہی عمل ہو تو وہ شخص خلاف کہہ رہا ہے، یہ اسلام کی فطرت کے خلاف کہہ رہا ہے، اختلاف اسلام کے اندر ہے اس کو باقی رہنا ہے، ہاں اس میں کسی کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے، کسی کی حقارت نہیں ہونی چاہئے ،کسی عمل کے تعلق سے ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے کہ اس کا اعتبار گھٹ جائے۔اور اگر وہ سنت رسول ﷺ ہے، اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے تو وہ ہمیں عزت کی نظر سے ،شرف کی نظر سے اس کو دیکھنا چاہئے ،لہذا حالات زمانہ کے اعتبار سے جس شکل کے بھی ہوں ہمیں دین کو اختیار کرنا چاہئے تو ’’**ان الدین عنداللہ الاسلام** ‘‘ وہ دین جو اللہ رب العزت کے یہاں قابل قبول ہے، مقبول ہے، وہ اسلام ہے،اور وہ اسلام دین سراپا تذلل،سراپہ جھکنے کا نام ہے کہ اللہ کے دین کو اللہ کے نام پر قبول کرلیا جائے، جو قبول نہیں کرے گا تو اللہ رب العزت نے فرمایا’’**ومن یفعل ذلک** ‘‘ جو ایسا کرے گا، قبول نہیں کرے گا، تو اس کا بدلہ کیا ہے؟’’**الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب** ‘‘ آج انڈونیشا سے لے کر مراکو تک بے شمار مسلم حکومتیں ہیں، سوا ارب کے قریب مسلم آبادی ہے،لیکن آج اسی میں گرفتار ہے، کثیر آبادی کے کچھ لے رہی ہے، اور کچھ چھوڑ رہی ہے، یہ نہیں کہ اس کو لے لیا اس کو چھوڑ دیا،

خودساختہ اسلام کی طرف جارہے ہیں،تو آج یہ چیز ہمارے سامنے آرہی ہے، کہ مادی زندگی کی تمام تر طاقتیں اللہ نے ہمیں عطا کی ہیں ، مادی زندگی کے تمام تر چیزوں کو اللہ نے بھر کر کے دیا ہے، اس کے باوجود ہمارا کیا حال ہے؟’’خزی ‘‘رسوائیاں ہیں ، ہمارا کوئی وزن نہیں ہو رہا ہے ، ہمارا کوئی مقام نہیں ہے ، دھتکارے جارہے ہیں، اسلئے کہ ہم نے کچھ لیا اور کچھ چھوڑ دیا، وہ شخص جو بس میں سوار ہونا چاہتا ہے ، اور ایک پیر باہر رکھے ہوا ہے ، اور دوسرا پیر اندر رکھا ہوا ہے ، بتاؤ اس کا ایکسڈنٹ ہوگا یا نہیں ج؟ وہ گرے گا یا نہیں؟ لوگ اس کو پاگل و دیوانہ کہیں گے یا نہیں؟ اس کا وزن گھٹ جائے گا یا نہیں؟ لوگ کہیں گے اندر جاؤ، تو ہم سوار ہونے میں تو اس کا لحاظ کرتے ہیں اور دین کی سواری جو جنت تک لے جانے والی ہے ، اس پر جب سوار ہوتے ہیں تو ایک پیر ادھر رکھتے ہیں اور دوسرا پیر ادھر، جھول کر کے جانا چاہتے ہیں ،تو ہم جھول کا شکار ہوجاتے ہیں ، اس زندگی کو، اس روش کو، اس روایت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

بھلائی کے کام کرنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، امابعد ، قال اللہ عزوجل فی القرآن المجید والفرقان الحمید، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، ﴿یایھاالذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون﴾ . صدق اللہ العظیم.

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی ، اور بھلائی کے کام کرتے رہو تا کہ تمہارے اوپر رحمتوں کی بارش کی جائے ۔ یہ دو عمل ایسے ہیں جو انسانی زندگی کے مطلوبہ صفات جس کی بنیاد پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے ، ان کا اس آیت کریمہ میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انسانی تقاضوں میں اس کی معاشی زندگی ، اس کی اقتصادی زندگی ہے ، جس کے لئے انسان بے قرار رہتا ہے ، اللہ رب العزت نے عبادت اور خدمت خلق، عبادت اور دوسروں کے کام آنا یہ دو صفات کے تعلق سے فرمایا کہ اگر یہ ہوں تو اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوگی ، اور رحمت سے مراد کیا ہے؟ رحمت تو ایک عام وصف ہے جو اللہ رب العزت کی طرف سے اس کی ساری مخلوق کے لئے عام کیا گیا ہے، لیکن خاص طور سے یہاں پر رحمت اس ضمن

اور سیاق میں ہے کہ اللہ رب العزت نے دوسری جگہ فرمایا ''**أھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا**'' اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے معاشی زندگی کا تذکرہ فرمایا ہے، اور یہ فرمایا کہ وہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس رحمت کو عام کیا ہے، اور خاص طور سے معیشت کے تعلق سے اللہ رب العزت نے یہاں ذکر فرمایا ہے، تو معاشی زندگی کے اندر خوشگواری ، اور تنگدستی اور افلاس سے کوئی بچنا چاہے تو اس کیلئے لازم ہے، ضروری ہے کہ اللہ کے حضور میں جھکے، اللہ کی عبادت کرے، اللہ کے حکموں کو مانے اور ساتھ ساتھ مخلوقات خدا کے ساتھ اس کا معاملہ اچھا ہو، حسن سلوک کرے، اس میں ایک بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو باہم ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے، کوئی کسی سے مفر حاصل نہیں کرسکتا، بادشاہ ہے اس کو رعایا چاہئے ، حاکم ہے اسے محکوم چاہئے ، آمر ہے اسے مأ مور چاہئے ، استاد ہے اسے شاگرد چاہئے ، شوہر ہے اسے بیوی چاہئے ، پڑوس ہے اسے پڑوسی چاہیے، ہر ایک دوسرے کے ساتھ وابسطہ ہے، اسی طرح سے کسان ہے اور دوسرے ہیں ۔ ایک دوسرے کے ساتھ پابند ہے اور ایک دوسرے کی اسے ضرورت ہے، اس ضرورت کے تعلق سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی شخص کی مصیبت میں ، کسی کی پریشانی میں ، ضروری حاجتیں پوری کیں تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی مشکلات کو حل کریں گے ۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اگر مقروض ہے، قرضدار ہے، قرض چاہتا ہے، اور اگر اسے کوئی قرض دے تو اللہ تعالیٰ اس کو دو صدقہ کا اجر عطا فرماتے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب معراج میں تشریف لے

گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ صدقہ کا اجروثواب دس گنا ہے اورقرض دینے کا اجروثواب اٹھارہ گنا ہے،تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ یہ فرق کیوں ہے؟ انہوں نے کہا کہ فرق اس لئے ہے کہ جسے صدقہ دیتے ہیں اسکے پاس کچھ مال ہوتا ہے اور وہ طلب نہیں کرتا ضرورت کی بنیاد پر، آپ اسکی حاجت کو سامنے رکھتے ہوئے دے دیتے ہیں،لیکن ایک قرضدار قرض چاہتا ہے،اس کے پاس مال نہیں ہے،تب وہ کسی کے سامنے اپنی زبان کھولتا ہے، اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے،لہذا دینے والے کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر عطا فرماتے ہیں اسلئے اس کے اجر کو دوگنا دکھا گیا ہے،اٹھارہ گنا رکھا گیا ہے۔

قرض اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے،اللہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ مجھے کون قرض دے گا؟ حالانکہ اللہ غنی ہے، یہ اسلئے تا کہ باہم ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض کا معاملہ کیا جائے ، پیسہ اللہ نے دیا ہے تو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے،اللہ کے بندوں کی ضرورتیں پوری کی جائے، انفاق کی بڑی اہمیت ہے،اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اللہ کو قرض دے،قرض حسنہ دے،اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں پر خرچ کرے تو اللہ اسے کئی گنا اضافہ فرمادیتے ہیں ، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر ہم دے دیں گے تو ہمارے پاس کچھ رہے گا یا نہیں؟ یہ اختیار تو اللہ کو ہے "**واللہ یقبض ویبسط**" اللہ جسکی روزی میں ، معاش میں ، معیشت میں تنگی کرنا چاہے تو کوئی فراخی نہیں دے سکتا ہے،اور اگر فراخی پیدا کردے تو کوئی اسے تنگی میں مبتلا نہیں کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف ساری چیزیں لوٹ کر جانے والی ہیں۔

حضرت امامہ باہلیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے علاوہ دیگر وقت میں مسجد نبوی کے اندران کو پایا، ان سے پوچھا ابوامامہ کیا بات ہے؟ نماز کا وقت تو ہے نہیں،مسجد میں کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں

نے عرض کیا کہ حضور!غم بھی ہے اور قرض کا بوجھ ہے،اسلئے میں اللہ کے گھر میں آ گیا ہوں، پریشان ہوں،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا،امامہ! کیا میں تمہیں ایک دعا نہ بتاؤں ، اگر تم اس پر عمل کروگے تو تمہارا سارا قرض اتر جائے گا، حضرت ابوامامہ نے کہا حضور ضرور بتائیے ،تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا صبح وشام پڑھ لو "**اللھم انی اعوذبک من الھم والحزن ، واعوذبک من العجزوالکسل ، واعوذبک من الجبن والبخل، واعوذبک من غلبة الدین وقھرالرجال**" اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ صبح وشام گویا فجر کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر جو قرض ہوگا، جو غم ہوگا اللہ تعالیٰ اسے دور فرمائیں گے۔حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی پابندی کی اور اللہ نے ایسا سامان فرمادیا کہ میرے قرض کا بوجھ اتر گیا، اگر کسی نے صدق دل سے قرض لیا ہے اور اسکی ادائیگی کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعاون ملتا ہے،اور اگر ہڑپ کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے مال کو اسکے کام کو،اس کے عمل کو برباد کرکے رکھ دیتے ہیں، بخاری شریف کتاب الکفالة کے اندر ایک روایت آتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک فرد نے بنی اسرئیل کے دوسرے فرد سے قرض مانگا،اس نے کہا میں قرض اس شرط پر دوں گا کہ گواہ لے آؤ،اس نے کہا میرے پاس کوئی گواہ نہیں ہے سوائے اللہ کے،اس نے کہا: کوئی ضامن لے آؤ،تو اس نے کہا میرے پاس کوئی ضامن نہیں ہے ، سوائے اللہ کے ۔ اس شخص نے ایک ہزار دینار کا مطالبہ کیا تھا،اس نے یہ سن کرکے ایک ہزار دینار دے دیئے،تاریخ بھی متعین ہوئی،قرض کے تعلق سے تین باتیں لازم ہیں،قرض کم دیا جائے یا زیادہ دیا جائے ، اسے نوٹ کرلیا جائے ، تاریخ اس کی طے کرلی جائے واپسی کی ، اور دو گواہ مقرر کئے جائیں ، یہ قرآن پاک کا حکم ہے،لہذا نوٹ بھی کرلیا کہ فلاں

وقت واپس لوٹادوں گا، وہ شخص کاروبار کے سلسلہ میں سمندر پار چلا گیا، اور جب واپسی کی تاریخ قریب آئی تو اب وہ سمندر سے پار ہوکر کے اس تک پہونچنے کیلئے بار بار آتا، لیکن کوئی سواری نہیں ملی، اسے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، تو اس نے ایک لکڑی لی، ایک بوٹا لیا اور اس میں ایک سوراخ کیا، سوراخ کرکے اس میں ایک ہزار دینار رکھے اور اس میں ایک خط لکھ کر کے ڈال دیا اور اس کو اچھی طرح سے بند کیا تا کہ اندر پانی جانہ سکے اور اس کو سمندر میں یہ کہتے ہوئے ڈال دیا کہ اے اللہ میں نے تیرے بندے سے یہ وعدہ کیا تھا، میں پہونچ نہیں سکتا ہوں، لہذا تو ضامن اور شاہد تھا، لہذا میں تیرے حوالہ اسے کرتا ہوں، یہ شخص جو تھا جب تاریخ قریب آئی تو اپنے ایک ہزار دینار کی خاطر ساحل پر گیا شاید اسکی کشتی آرہی ہو، یا وہاں سے اس کا مال آرہا ہو، وہاں پہنچا تو دیکھا کوئی بھی نہیں ہے، البتہ ایک لکڑی بہتی ہوئی ساحل پر آرہی ہے، اس نے اس لکڑی کو اٹھایا کہ جلانے کے کام آئے گی، گھر میں آکر جب اس نے اسکو چیرا تو اس میں ایک ہزار دینار بھی ملے اور کاغذ بھی ملا جس میں خط تھا، بڑا خوش ہوا کہ عجیب وغریب یہ معاملہ ہے، کچھ دنوں کے بعد جب وہ واپس آیا تو وہ شخص اس کے یہاں ایک ہزار دینار لے کے آیا، کہا حضور میں نے آپ سے ایک ہزار دینا لئے تھے، آپ نے دیا تھا، میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے میری بروقت مدد فرمائی تھی، اب یہ ایک ہزار دینار قبول کیجئے، انہوں نے کہا وہ تو مجھے مل گیا، کہا کیسے؟ انہوں نے بتایا کہ ایسے ایسے کیا کہ اصل بات یہ تھی کہ میرے ذہن میں یہی بات آئی تھی، میں نہیں پہونچ سکتا لیکن اللہ پہونچائے گا تو اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھ کر کے، شاہد وضامن کر کے اگر کوئی کام کیا جائے تو اللہ کی طرف سے اعانت ونصرت کے فیصلہ ہوتے ہیں، لہذا ہر کام میں ہمیں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے، اللہ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔ آمین۔

☆☆☆

سائنس شریعت کے تابع ہے

الحمد لله حمداً كثيراً طيبًا مباركاً فيه.

قال اللّٰه عزوجل فی القرآن المجید والفرقان الحمید، اعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، ﴿ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لآيات لاولی الالباب، الذين يذكرون الله قياماوقعوداوعلى جنوبهم ويتفكرون فی خلق السموات والارض، ربنا ما خلقت هذا باطلاً، سبحانك فقنا عذاب النار﴾ صدق الله العظيم.

معزز حاضرین!

آج دنیا نے بڑی ترقی کرلی ہے، آج ہر ایک کی مٹھی میں دنیا موجود ہے، دنیا کا ہر خطہ موجود ہے، ہر قسم کے رطب ویابس، ہر قسم کی معلومات کا ایک انبوہ ہے، جو اپنے ساتھ رکھتا ہے اس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ساری سائنسی ترقیاں حقیقت میں نئی دنیا کے ادراک ودریافت کے بعد ہی وجود میں آئی ہیں، اور اس کی بنیاد پر ہماری نوجوان نسل ہمارے وہ بھائی جو کالجز میں، یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں ان کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ساری ترقیاں اس دور کی ہیں اور خصوصاً اہل یورپ کی ہیں، تمہارے اسلاف کا، تمہارے اکابر کا، تمہارے بزرگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں رہا ہے، حالانکہ اگر آپ غور کریں تو اہل یونان، منطق اور فلسفہ کی بھول

بھلیوں میں مبتلا تھے ، اہل یورپ تو اس کائنات کے ارضی وسماوی تمام تر آیات ونشانی پر غور فکر کرنے کا احساس بھی نہیں کر سکتے تھے ، اسلئے کہ ایسا کرنے والے کو زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا ، جلا دیا جاتا تھا ، کلیسہ کی حکمرانی تھی ، اور زمین کے بارے میں یا آسمان کے بارے میں ، سورج کے بارے میں ، چاند کے بارے میں ، بلکہ کائنات کے کسی شئی کے بارے میں سوچنا اور اس کا تجربہ اور اسکی تحلیل کرنا ، اور اس کی ماہیت وحقیقت تک پہونچنے کے تعلق سے غور وفکر کرنے پر پابندی عائد کردی گئی تھی ۔

چھ صدی گذر گئی ، اور عیسائیت اسی میں مبتلا تھی ، لیکن چھ سو سال کے بعد جب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ، چھٹی صدی مسیحی میں ، اور قرآن پاک نازل ہوا ، قرآن پاک اترا ، تو قرآن پاک نے اس موقع پر جہاں تمام چیزوں کے تعلق سے رہنمائی کی ہے وہاں اس نے صاف طور پر اس بات کی بھی ہدایت فرمائی کہ کائنات کے اندر جتنی چیزیں ہیں اس پر غور وفکر کرو ، ان کو مقدس مان کرنہ چھوڑو ، تحقیق کرو ، انکشافات وتحقیقات کی دنیا میں آؤ ، لہذا اللہ رب العزت نے صاف صاف کہا کہ آسمان وزمین کی تخلیق میں ان کے لئے نشانیاں ہیں جو اہل لب ہیں ، قرآن پاک نے ”یعقلون“ بھی کہا ہے ، اور ”اولو لنھی“ بھی کہا ہے اور ”اولوالالباب“ بھی کہا ہے ، اگر آپ غور کریں تو عقل تو اللہ نے انسانوں کو عطا فرمائی اور یہی اس کے امتیاز کا ایک بڑا محور ہے ، لیکن عقل اس لئے نہیں ہے کہ ہم اپنی ضرورت کا سامان فراہم کرلیں ، بلکہ عقل اسلئے بھی اللہ نے دی ہے تا کہ ہم غور وفکر کریں ، حق کو ، ثواب کو پانے کی فکر کریں ، حلال وحرام کو سمجھ سکیں ، اور رضائے الٰہی کے ان تمام گوشواروں کو پرکھ کر کے راہ ہدایت پر گامزن ہو کر کے منزل مقصود تک پہونچ سکیں ، لہذا سوچ عقل کے ساتھ وابستہ ہے تو وہ لب ہے ،

لہذا اس آیت میں جو میں نے تلاوت کی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہاں ”ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاولی الالباب“ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو لب والے ہیں ، عقل والے ہیں ، عقل اور سوچ رکھتے ہیں ، فکر اور غور سے کام لیتے ہیں ۔

محترم بزرگو اور دوستو! قرآن پاک میں آیت جہاں بھی ہے ، آیت کے معنی ہم نشانی کا کرتے ہیں ، لیکن آیت اس نشانی کو کہتے ہیں جس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا ہے ، جس کے مساوی ہم کسی چیز کو نہیں لا سکتے ہیں ، اسی لئے اللہ رب العزت نے جن چیزوں کو آیت قرار دیا ہے ، گویا کہ تخلیق کا عمل صرف اللہ رب العزت کا ہے ، کوئی اس میں سہیم وشریک نہیں ہے ، اور نہ اس کے بنانے میں وہ کسی کا محتاج ہے ، لہذا اس کو آیت قرار دیا گیا ، یہاں تک کہ انسان کی تخلیق کو آیت قرار دیا گیا ، زمین وآسمان کو آیت قرار دیا گیا ، دریا وسمندر کو آیت قرار دیا گیا ، اور یہ فرمایا گیا کہ اس پر غور کرو ، اس کو اللہ نے بنایا ہے ، پھر اس آیت کے اندر اہل لب ، اہل دانش ، سوچ وفکر وعقل کے محور پر اپنی زندگی کو لگا کر کے نتیجہ اخذ کرنے والا ، اور اس سرمایہ کو اس کائنات ارضی سماوی کے اندر اس اشرف المخلوقات کو جسے انسان کہتے ہیں ، اسکے لئے پیش کرنے والے کون تھے؟ سب سے پہلے مسلمان تھے ، گویا کہ ایک طرف سے دروازہ بند تھا ، مین گیٹ پر جو بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے تھے ، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ”افلایتدبرون القرآن“ کیا وہ قرآن پاک پر غور نہیں کرتے؟ قرآن پاک کہاں کہاں رہنمائی کرتا ہے ، کس طرح سے انہیں اپنی کائنات کی طرف ، اپنی مخلوقات کی طرف اللہ رب العزت دعوت دیتے ہیں ، اسی لئے سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ”اقرأ“ کے ساتھ تا کہ ہم غور وفکر کریں ، ہمارے اسلاف نے ہمارے بزرگوں نے ایک طرف دین کے علم

کوسر بلند کیاتو دوسری طرف اس مادی دنیا کی طرف بھی توجہ فرمائی اوراس میں وہ بہت آگے چلے گئے ،اگر آپ غور کریں تواس میں بہت بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے ، بڑے بڑے سائنسداں پیدا ہوئے ، لہذا اگر ان ناموں کی فہرست جس کو اہل یورپ نے (جومحسن ناشناس ہیں) انکے ناموں کوبدل کے رکھ دیا،ان کے کام کو بدل کے رکھ دیا،انکے انتساب کوبدل کے رکھ دیا، یہاں تک کہ نوجوان نسل پڑھتی ہے تو یہ سمجھتی ہے کہ حقیقت میں یہ ساری ایجادات وانکشافات اہل یورپ کے ہیں ، عیسائیوں اور یہودیوں کے ہیں،مسلمانوں کے انکشافات کی اس کے اندر کوئی دخل نہیں ہے۔حالانکہ ایسانہیں ہے، چاہے البیرونی ہوں ، یاالخارزی ہوں یاالرازی ہوں یاابن الرشد ہو، یاابن یونس ہوں ، یاابن خلدون ہوں ، یانصیر الدن دوسی ہوں ، یہ بڑے بڑے سائنسداں گذرے ہیں ،اور یہ اپنے دور کے بڑے عالم بھی تھے، یہ قرآن پاک ،احادیث نبویہ کے پڑھنے والے،استفادہ کرنے والے تھے، وہاں کوئی اورڈگری نہیں تھی ،اوریہی وجہ ہے کہ آپ خود ہندوستان کے اندر دیکھیں کہ کیامسلمان کاہندوستان کے اندر سائنس کے اندر،علم کے اندرکوئی عمل نہیں ہے ، کوئی کوشش نہیں ہے اگر آپ غور کریں گےتواس دور میں اس مغلیہ دور کے تاج محل کودیکھئے ، وہ عجوبہ روزگار ہے،اورلال قلعہ کودیکھئے ،جوتعمیرات کے اندر دنیا کاایک شاہکار ہے، جھومتے ہوئے میناروں کودیکھئے ، جوٹکنالوجی کاایک ذریعہ ہے،اور نہ جانے کتنے بچھے ہوئے موتی ہمارے سامنے ہیں جواس دور کے لوگوں نے بنائے ہیں ، کیایہ بغیر تعلیم اورعلم کے ہوسکتا ہے؟ تو یقیناًبات یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا، ایک ہزار سال مسلمان اس دنیا میں رہےلیکن پندرہویں صدی میں جب تاتاریوں کاغلبہ ہوا، جب پندرہویں صدی میں اندلس سے مسلمانوں کونکالا گیااور آپسی اختلافات کے نتیجہ میں وہاں سے نکلناپڑا،اور بغداد کی تباہی ہوئی،شام کی تباہی ہوئی

، اندلس کی تباہی ہوئی ۔ بڑے بڑے کتب خانوں کوجلا کر کے خاکستر کردیا گیا، اور باہم اختلافات کواتنا ہوادیا گیا کہ اس میں یہ قوم گرتی چلی گئی ، پھراس کے بعد سے زوال کا آغاز ہواتواس کاسلسلہ آج تک چلتا آرہا ہے، یورپ کوابھی پانچ سوسال ہوئے ہیں ،لیکن یہ سمجھا جارہا ہے کہ سب کچھ انہوں نے کیا ہے، لیکن ایسانہیں ہے،ایک بات میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سمجھا جائے کہ مال ودولت ترقی کاعنوان ہے،ایسانہیں ہے،یقیناًترقی کی بات علم سے وابستہ ہے،قرأت سے وابستہ ہے،پڑھنے سے وابستہ ہے،لیکن وہ علم جوقرآن وحدیث کے زیر سایہ ہو،اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا’’الذین یذکرون اللہ قیاماوقعودا‘‘ بے شک وہ لوگ جواللہ کویاد کرتے ہیں کھڑے ہوکر کے، بیٹھ کر کے، لیٹ کر کے، یہ انسان کے تین اعضاء ہیں، وہ چلتا بھی ہے، وہ بیٹھتا بھی ہے،اوروہ لیٹتا بھی ہے،لہذا یہ تینوں مطلب یہ ہے کہ ہرآن ، ہرلحہ، ہروقت وہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں پیدا فرمایا؟ مقصد تخلیق کیا ہے؟ کائنات کوکیوں بنایا ہے؟ زمین کوکیوں گھمایا ہے؟ آفتاب کوکیوں چمکایا ہے؟ چاند کوکیوں روشنی دی ہے؟ اوریہی نہیں بلکہ ایک ایک ذرہ کے اندر قوت کس نے رکھی ہے؟ یہ ساری چیزوں پر وہ غور کرتے ہیں، وہ کون ہیں؟ ’’یتفکرون فی خلق السموات والارض‘‘ اسکو بعد میں لایا گیا،’’یذکرون اللہ‘‘ کوپہلے لایا گیا، یہ بتانے کے لئے کہ سائنس شریعت کی نوکر ہے،شریعت کی خادمہ ہے،اسلئے کہ ہمیں نماز پڑھنا ہے ہمیں مسجد کی ضرورت ہے،ہمیں پانی کی ضرورت ہے،لباس کی ضرورت ہے،سائنس یہ نہیں کہ وہ ہمارے اوپر چھاجائے ہمارے ذہن وفکر کے اوپر، بلکہ اسلئے کہ ہمیں سمجھنا چاہئے کہ اصل شریعت ہے ، ہمیں اسکے لئے تیار ہونا چاہئے اورعمل کرنا چاہئے ۔ اللہ ہم سب کوتوفیق سے نوازے۔آمین۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین وصیتیں

الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی الہ وصحبہ اجمعین : امابعد!

بزرگان محترم ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام کا مجمع ہے، ایک صحابی تشریف لے آتے ہیں، اور کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے وصیت فرما دیجئے ، وصیت بھی مختصر ہو، جامع ہو، یوں اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم کے وصف سے متصف فرمایا تھا، یعنی تھوڑے سے الفاظ میں معانی بہت زیادہ ہوتے تھے، یہ خاص وصف تھا، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، انہوں نے کہا حضور مجھے مختصر وصیت فرما دیجئے ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وصیتیں فرمائی ، اگر ان وصیتوں کو یکجا طور پر پیش کیا جائے تو مشکل سے نو سکینڈ لگتے ہیں، لیکن اگر اس کی تشریح کی جائے ، اس کی توضیح کی جائے تو زندگی کے تمام مراحل، تمام اسفار، تمام تقاضوں اور تمام محرکات کو شامل ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جب انہوں نے درخواست کی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جو وصیت فرمائی ، وہ یہ بات تھی کہ ’’**اذاقمت فصل صلاۃ مودع** ‘‘ دوسری وصیت یہ تھی کہ ’’ **اذاتکلمت بکلام تعذرمنه عذرا** ‘‘ اور تیسری وصیت فرمائی ’’ **واجمع الیاس ممافی ایدی الناس** ‘‘ پہلی وصیت جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمائی اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھو کہ گویا یہ آخری نماز ہے، جب کوئی کسی سے رخصت ہوتا ہے تو اس وقت اپنی تمام تر چیزوں کو سمیٹ کر یکسو ہوتا ہے ، دل سے ملتا ہے ، کسی کی طرف نظر ڈالتا ہے تو دل سے نظر ڈالتا ہے، جو بات اس کی زبان پر آتی ہے دل سے وہ نکلتی ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’**اذاقمت فصل صلاۃ مودع** ‘‘ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو گویا کہ تمہاری یہ آخری نماز ہے، آخری نماز کیلئے دو وصف کا ہونا ضروری اور لازم ہے،۔

پہلا وصف خشوع ہے، دوسرا وصف خضوع ہے، خشوع دل کے جھکنے کو کہتے ہیں اور خضوع کہتے ہیں اعضاء اور جوارح کے جھکنے کو، ہم جب قیام کی صورت حال میں ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ہماری نظر جھکی ہوتی ہے، ہمارے اعضاء بالکل مطمئن ہوتے ہیں، لیکن دل جھکا ہے یا نہیں، اس کے لئے خشوع کی ضرورت ہوتی ہے، ہم جھکتے ہیں تو پورے اعضاء جھکتے ہیں، سجدہ میں جاتے ہیں تو سارے اعضاء جھکتے ہیں ، لیکن کیا دل بھی جھکا ہوا ہے یا دل کہیں اور پھنسا ہوا ہے ، وہ سجدہ میں پڑا ہوا ہے لیکن اسکا دل دنیا کے بازار میں ٹہل رہا ہوتا ہے، دوکان پہ موجود ہو، حساب کتاب کر رہا ہو یا اور زندگی کے اور تقاضوں میں الجھا ہوا ہو، یہ ممکن نہیں ہے اعضاء تو جھکے ہوئے ہیں لیکن دل جھکا ہوا نہیں ہے، دل کے نہ جھکنے کو خشوع سے تعبیر کیا گیا، دل جب جھک جاتا ہے تو ہر چیز جھک جاتی ہے نظر جھک جاتی ہے، زبان جھک جاتی ہے، سماعت جھک جاتی ہے، جس چیز میں دل شامل ہو جاتا ہے وہ عمل ہر اعتبار سے خالص ہو جاتا ہے، خواہ وہ محبت کے ساتھ ہو یا فخر کے ساتھ ہو، وہ مثبت ہو یا منفی ہو، اسکے اثرات ہوتے ہیں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’**اذا قمت فصل صلاۃ مودع** ‘‘ کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو گویا آخری

نماز ہے ، رخصت ہونے والا جسطرح سے رخصت ہوتا ہے اس طرح کرو۔ پھر نماز کا موقع ملے گا یا نہیں، زندگی وفا کرے گی یا نہیں، یہ نماز تو اللہ کے فضل سے مل گئی ،لیکن اسکے بعد کی نماز ہم کو ملے گی یا نہیں ،تو خشوع اور خضوع یہ دو وصف ہیں جو نماز کے لئے لازم ہیں ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے ان نمازیوں کے لئے بشارت سنائی ہے ، جن کا دل جھکا ہوا ہو، اور اعضاء و جوارح بھی اللہ کے حضور میں جھکے ہوئے ہوں ’’**ھم فی صلوٰتھم خاشعون** ‘‘ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور دل بھی جھکتا ہے تو اعضاء بھی جھکتے ہیں۔

دوسری جو وصیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمائی وہ بڑی اہم ہے فرمایا کہ تم ایسی بات ہرگز مت کرو جسکے کہنے کے بعد تمہیں پھر معذرت کرنی پڑے ، رجوع کرنا پڑے ، اسی لئے عربی محاورہ ہے کہ ’’لسان الحکیم فی قلب ، وقلب الاحمق فی لسان‘‘ کہ حکیم و دانا شخص کی زبان دل ہوتی ہے اور احمق کا دل اس کی زبان پہ ہوتا ہے ، یعنی حکیم جب بولتا ہے تو پہلے اس کو عقل پہ تولتا ہے پھر دل میں اس کا تذکیہ کرتا ہے ، اس کے منفی مثبت پہلوؤں پہ غور کرتا ہے ، جب دل اجازت دیتا ہے تب جا کر کے وہ اپنی زبان پہ لے آتا ہے ، نہ اسے معذرت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ اسے ندامت ہوتی ہے، نہ پشیمانی ہوتی ہے، اسلئے کہ دل و زبان نے اس کو تیار کیا، اور’’**قلب الاحمق فی لسانہ احمق** ‘‘ بے قوف، نادان جو چاہتا ہے بول دیتا ہے، بولنے کے بعد سوچتا ہے کہ میں نے یہ کیا بول دیا، لہذا! اسے پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے، رشتہ ٹوٹ جاتے ہیں، احباب دور ہو جاتے ہیں، تعلقات ختم ہو جاتے ہیں، لوگوں کے نظریات اس کے بارے میں خراب ہو جاتے ہیں، وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے پھر اسے شرمندگی ہوتی ہے، تو وہ معذرت

کرتا ہے، تو قلب الاحمق فی لسانہ’’احمق کا دل اس کی زبان پہ ہوتا ہے، زبان بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزوں کی ضمانت مجھے دے دو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، فرمایا کہ دو جبڑوں کے درمیان جو زبان ہے اور دو ٹانگوں کے درمیان جو شرمگاہ ہے ، ان دو کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں ، جنت کس طرح پیاری چیز ہے ، کہ دنیا کی آخری درجہ کی آرائش آخری درجہ کی سہولت ، آخری درجہ کی ساری نعمتوں کا اجتماع اگر ہو تو کیا کہیں گے ، تو اسے جنت مل گئی ، تو جنت بہت محبوب لفظ ہے ، بہت پیارا لفظ ہے ، انسان کا دل ہلتا ہے ، کھلتا ہے ، انشراح ہوتا ہے ، جنت کا لفظ جب زبان پہ آتا ہے تو انسان اسکے ذریعہ بہت خوشی محسوس کرتا ہے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ زبان کو قابو میں رکھے اور شرمگاہ کی حفاظت کرے تو اسکے لئے میں جنت کی بشارت دیتا ہوں، اسی لئے ہر پل سوچے ،لفظ لفظ تولئے ، خوب غور کیجئے ، پھر زبان کھولئے ، تو ان شاء اللہ وہ بولنا آپ کا جامع الکلم بن جائے گا ، مفید و مؤثر بن جائے گا ، نافع اور صالح بن جائے گا ، آپ کی صالحیت اور صلاحیت پر وہ مہر لگانے والا ہو جائے گا ، لہذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا کہ ’’**المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ** ‘‘ کامل ایمان والا کون ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جواب دیا کہ جس کی زبان درازیوں سے ، اور دست درازیوں سے یعنی دل آزاری سے لوگ محفوظ رہیں ، مسلمان اس سے محفوظ ہوں ، یہ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی ، زبان کا زخم کبھی ختم نہیں ہوتا ہے ، تیر کا زخم ختم ہو جاتا ہے ، تلوار کا زخم بھر جاتا ہے ، ڈنڈے سے کوئی مار دے ، چھڑی سے کوئی مار دے تو اس کی مار ختم ہوتی ہے ، لیکن زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی جس سے کسی کو چوٹ پہونچی ہے ، دل

ٹوٹا ہے، تو وہ جلدی ختم نہیں ہوتا ہے، ”**جراحات السنان لھاالتئام... ولایلتام ماجرح اللسان**“ تیر وتلوار کا زخم ختم ہو جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم ختم نہیں ہوتا ہے، لہذا زبان کی حفاظت کرنی چاہئے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم دلی کو وجہ رحمت قرار دیا اور فرمایا ”**فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب ، لانفضوا من حولک**“ یہ اللہ کی رحمت کے سبب ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو ہوئے، اگر آپ ترش خو ہوتے، سخت دل ہوتے، نرم مزاج اگر نہ ہوتے تو یہ سب آپ سے الگ ہو جائیں، آپ کے قریب نہ بھٹکتے، تو دل کی نرمی احباب کے قریب ہونے کا سبب ہے، دل کی نرمی، مزاج کی نرمی، زبان کی نرمی، اسکی مٹھاس دلوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو جب بولو تو وہ بول بولو کہ بعد میں معذرت کرنی نہ پڑے۔

تیسری بات جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ”واجمع الیاس مما فی ایدی الناس“ دیکھو حرص نہ کرنا، طمع نہ کرنا، لالچ نہ کرنا، لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس میں تمہاری ذہنیت، تمہاری فکر، تمہاری نظر، تمہارا دل اٹکنے نہ پائے، اس سے تم اپنے آپ کو مستغنی رکھو، یہ دنیا کی ساری چیزیں فانی ہیں، ختم ہونے والی ہیں، ”**ماعندکم ینفذ وماعنداللہ باق ، ولاتشتروا بعھداللہ ثمنا قلیلا، انما عنداللہ ھو خیر لکم ، ان کنتم تعلمون**“ لہذا تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ رہے تم مزید لوگوں کی جیبوں کو دیکھتے ہوئے رشوت حاصل کرنے کی کوشش مت کرو، سود لینے کی کوشش مت کرو۔ دھوکہ، دغا اور فریب دے کر کے ان کے مالوں کو ہڑپنے کی کوشش مت کرو، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وصیتیں فرمائی، ہماری زندگی کا یہ آئینہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اعمال کی قبولیت کے شرائط

الحمد لله ، الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات أعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن محمداً عبده ورسوله ، أما بعد!

بزرگان محترم ! ایک شب حضرت عمرؓ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، سورہ بقرہ کی جب اس آیت پر پہنچے جس میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ﴿أيود أحدكم أن تكون له جنة من نخيل وأعناب تجرى من تحتها الأنهار ، لهم فيها من كل الثمرات وأصابه الكبر وله ذرية ضعفاء فأصابها إعصار فيه نار فاحترقت ، كذلك يبين الله لكم الأيٰت لعلكم تتفكرون﴾**۔

اس آیت پر جب پہنچے تو پوری رات گذر گئی سو نہیں سکے، رات بھر تڑپتے رہے، بے قراری کی کیفیت رہی، آنکھوں میں آنسو اور دل دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے، صبح ہوئی، صحابہ کرامؓ کی مجلس آپ کے ارد گرد جب نظر آئی تو آپؓ نے کہا رات میں میرے ساتھ یہ یہ معاملہ پیش آیا، میں نے اس آیت کی تلاوت کی اور مجھے رات بھر نیند نہیں آئی، اسکا مطلب کیا ہے؟ پوری رات گذر گئی اس آیت کے

مطلب کے تعلق سے سوچتے ہوئے کہ اسکا مفہوم کیا ہے۔ اسکا مطلب کیا ہے، اسکا مقصد کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد موجود تھی، اور ممکن ہے کہ یہ فجر کی نماز کے بعد حضرت أمیر المومنین نے اپنے رفقاء سے یہ سوال کیا، سب نے کہا کہ حضور ہمیں معلوم نہیں واللہ أعلم ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے، واللہ أعلم میں بھی جانتا ہوں، میں نے اس لیے تھوڑی پوچھا ہے کہ تم واللہ أعلم کہہ دو، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اسکا صحیح مفہوم کیا ہے، اسکا مقصد کیا ہے، اسی مجلس میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ بھی موجود تھے، وہ آہستہ آہستہ کسی سے کچھ کہہ رہے تھے، حضرت أمیر المومنین عمر فاروقؓ نے دیکھا، مخاطب کیا ! حضرت عبد اللہ ابن عباس کیا بول رہے ہو، زور سے کہیے، یہاں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ صغرسنی مانع ہونی چاہئے علم کی راہ میں، بڑے ضرور موجود ہیں، لیکن اگر معلوم ہے تو اسکو بتا دینا چاہئے، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے کہا حضور! اس آیت کا مفہوم علم ہے، عمل ہے، اس آیت کا مفہوم عمل ہے، یعنی اللہ عزوجل نے جو مثال دی ہے وہ مثال انسانی زندگی کے وہ أعمال ہیں جو زندگی بھر کرتا رہتا ہے اور اللہ کے حضور میں جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے اعمال کا باغ جلا دیا جائے گا، اسکا مفہوم یہ ہے، حضرت أمیر المومنین عمر فاروقؓ نے کہا کہ اسکی دلیل کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے کہا حضور! دلیل تو نہیں ہے، لیکن میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ اس آیت کا مفہوم وہ عمل ہے جو انسان زندگی بھر کرتا ہے لیکن آخرت میں جب اللہ کے حضور میں وہ پہونچے گا تو اس کے اعمال سوخت کر دئے جائیں گے، اسکے اعمال کچھ کام نہیں آئیں گے، اسکی مثال اللہ رب العزت نے یہ دی ہے۔ حضرت عمرؓ تھوڑی دیر سوچتے رہے، اسکے بعد آپ نے فرمایا عبد اللہ! آپ نے صحیح کہا ہے، آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تم میں کسی کو یہ بات پسند ہے

کہ اس کے پاس کھجور کے اور انگور کے باغات ہوں، اور ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور اس کے علاوہ بہت سے پھل، فروٹ اور میوے اسکے باغ میں ہوں، اور وہ بوڑھا ہو چکا ہو، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، اچانک ایک بگولہ آئے جس میں آگ ہو اور وہ پورے باغ کو خاکستر کر دے، جلا دے، اسی طرح اللہ عزوجل آیات کو کھول کر کے بیان کرتا ہے، نشانیاں کھول کر کے بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو، حضرت أمیر المومنین عمر فاروقؓ نے کہا کہ تم نے صحیح کہا ہے، بڑھاپہ آخری درجہ کا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اور باغ جو پھلوں سے، میووں سے لدا ہوا ہے، بھرا ہوا ہے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے، تو جو حسرت ہوگی، جو کرب ہوگا، جو تڑپ ہوگی، وہ سمجھنے سے تعلق ہے، احساس کرنے سے اس کا تعلق ہے، لفظوں میں اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے، اس فرد پر کیا گزر جائے، اس شخص کو کن حالات سے گزرنا ہو، اللہ کے رسول کی سنت کے خلاف ہے، ریا اور شہرت حاصل کرنے کے لئے وہ عمل کیا جا رہا ہے تو اس عمل کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک نہیں، وہ بیکار کیا جائے گا، یہاں تک کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، اگر اس میں بھی دکھاوا آئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا بھی حشر بہت برا ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں آتا ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے قیامت کے دن عالم کو بلایا جائے گا، سخی کو بلایا جائے گا، مجاہد کو بلایا جائے گا، عالم سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تم نے کیا کیا؟ وہ عالم کہے گا کہ رب کریم! تیرے دین کی اشاعت وترویج میں لگا رہا، پوری زندگی لگا دی پڑھنے پڑھانے میں، دعوت وارشاد میں، تبلیغ میں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے یہ اس لئے کیا کہ تجھے عالم کہا جائے، تجھے علامہ کہا جائے، تجھے داعی کہا جائے، تجھے مبلغ کہا جائے، تجھے مفسر و محدث کہا جائے، تو نے

میرے لئے یہ نہیں کیا اور حکم ہوگا کہ اوندھے منہ اسے جہنم میں ڈالا جائے، پھر سخی کو بلایا جائے گا، مالدار کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہی سوال کریں گے، اور اس کا جواب بھی یہی ہوگا کہ رب کریم! تو نے مجھے سرمایہ عطا فرمایا تھا، میں نے تیری رضا اور دین کی بلندی کے لئے اس کو خرچ کر دیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے اس لئے خرچ کیا تا کہ تجھے سخی اور فیاض کہا جائے، اور دنیا میں تجھے سخی اور فیاض کہا گیا، فرنٹ پیج پر تمہارا نام آتا رہا اخبارات میں، تو تم خوش ہوتے تھے دیکھ کر کے، اور سب کچھ کہا گیا، اب تمہارے لئے یہاں کچھ بھی نہیں رہا، لھذا! اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا، مجاہد کو بلایا جائے گا، مجاہد سے اللہ کا سوال ہوگا کہ تو نے کیا کیا؟ مجاہد جس نے جہاد کیا، جس نے جان قربان کردی، جس نے جان ہتھیلی میں لے کر کے اللہ کے دین کی ترویج واشاعت کیا، اس سے پوچھا جائے گا وہ بھی کہے گا رب کریم! میں نے آخری چیز جو جان ہوسکتی ہے وہ بھی میں تیرے دین کے لئے تیری رضا کے لئے قربان کردی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: نہیں، تو نے میری رضا کے لئے نہیں کیا، بلکہ تو نے اس لئے کیا کہ تجھے مجاہد کہا جائے، تجھے فلاں کہا جائے، غازی کہا جائے، وغیرہ وغیرہ، لھذا اسے بھی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضرات! یہ بڑی عجیب وغریب حدیث ہے، اعمال انسان کے اس وقت سامنے ہونگے، اعمال بیکار ہوں گے، اعمال کام نہیں آئیں گے، کس وجہ سے؟ دو چیزیں اس میں نہیں تھیں، اعمال کے اندر دو چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اعمال کی روح ختم ہوتی ہے، اعمال کی افادیت گھٹ جائے گی، اعمال کی نافعیت ختم ہوجائیگی، اعمال کی صلاحیت دور ہوجائے گی، وہ کیا چیزیں ہیں (۱) وہ عمل شریعت کے مطابق ہو، اور شریعت جس کے اندر سنت کا نور ہو، جو سنت سے ہٹ

کر کے ہو، جو اللہ کے رسول (ﷺ) کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر ہو، وہ شریعت شریعت نہیں ہے، شریعت وہی ہے جو حضرت محمد (ﷺ) لے کر آئے، ﴿ **ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا** ﴾، رسول تمھیں جو دیں اسے لے لو اور جس سے وہ منع فرمادیں، اس سے تم رک جاؤ، تو شریعت سے مراد سنت نبویہ ہے، اللہ کے رسول (ﷺ) کی سنت کے مطابق ہو، نماز اگر سنت کے مطابق نہیں، حج اگر سنت کے مطابق نہیں، تو ہمارا حج اور ہماری نماز اللہ کے حضور میں قابل قبول نہیں، قبولیت کے لیے سنت کا ہونا ضروری ہے، ایک شرط تو یہ ہے، اس طرح مسلمان شریعت سے کبھی بھی دست بردار ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ مسلمان کا ہر عمل شریعت کا رنگ اور آہنگ لیے ہوئے ہوتا ہے، لھذا اسکا سونا بھی، اسکا جاگنا بھی، اسکا کھانا بھی، اس کا پڑھنا بھی، اسکا پڑھانا بھی، اسکا سفر کرنا بھی، اسکا حضر میں رہنا بھی، دعوت وملاقات میں جانا بھی، شادی بیاہ کرنا بھی، غم اور خوشی کے مواقع پر شریعت کے تابع ہے، شریعت کے انوار سے پرنور ہوکر کرنا ہے، لہذا اعمال اگر شریعت سے ہٹ جائیں تو مچھلی پانی کے بغیر کچھ وقت تک زندہ رہ سکتی ہے، آکسیجن کے بغیر کچھ دیر انسان زندہ رہ سکتا ہے لیکن شریعت کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا ہے، اس لئے ہر حال میں شریعت ہمیں محبوب ہے، شریعت ہمیں مطلوب ہے، شریعت ہمیں مقصود ہے، لہذا آج کل شریعت کے خلاف طرح طرح کی سازشیں چل رہی ہیں، یہ سب ہوتا رہا ہے، ہوتا رہے گا، اور آج بھی ہو رہا ہے، اس سے ہمیں نہ گھبرانے کی ضرورت ہے، اور نہ مایوسی کا شکار ہونے کی ضرورت ہے، بلکہ امید کر کے اس منظر کو سامنے لانا ہے جو صحابہ کرامؓ کے سامنے تھا اور وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے کہا کہ ہمارا تو ایمان اور بڑھ گیا، یہ تو ہونا ہی ہے، دشمن سامنے آئیں گے اور وہ ہر طرح سے کوشش کریں گے کہ

شریعت کو مسمار کردیں، اور شریعت کے قلع کو مسمار کرنے کے لئے سب سے بڑا ٹارگیٹ مدارس ہیں، علما ہیں، سب سے بڑا ٹارگیٹ ان کے لئے اہل فن ومخلصین ہیں، اہل اللہ ہیں، لہذا ان پر طعن وتشنیع کریں گے، ان کی حیثیت کو گرانے کی کوشش کریں گے، ہم اس کو برداشت نہیں کرسکتے ہیں، آج صورت حال یہ ہے کہ ہمیں اس شریعت پر گامزن رہنے کے لئے اس پر قائم رہنے کے لئے، اس پر اپنے آپ کو جمانے کے لئے، اور استحکام اور استقامت پیدا کرنے کے لئے ایک مزاج بنانا چاہئے، ایک ماحول بنانا چاہئے، تو پہلی چیز سنت کے مطابق عمل کا ہونا ہے، اور سنت شریعت ہے، اور دوسری چیز وہ روح ہے، شریعت کی روح ہے، سنت کی روح ہے، سنت کے ذریعہ روح میں جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اخلاص ہے، سنت کے مطابق عمل ہے۔ سنت کے مطابق وضو ہے، سنت کے مطابق صف بندی ہے، لیکن اخلاص نہیں ہے، تو روح سے خالی ہے، ڈھانچہ موجود ہے، لیکن روح نہیں ہے، یہ لاش ہے، اور ظاہر ہے لاش کو دفن کردیتے ہیں، یہ اعمال بھی دفن ہوجائیں گے، یہ اعمال بھی بیکار کئے جائیں گے، یہ اعمال بھی پھینک دئے جائیں گے، ﴿**فويل للمصلين ، الذين هم يرآء ون و يمنعون الماعون**﴾ ایسی نماز پھینک دی جائے گی، لہذا دوسری چیز ہمارے لئے لازم اور ضروری ہے وہ ہے اخلاص، اللہ کے لئے، ذرا بھی بال پڑنے نہ پائے اس اخلاص میں، یہ فکر ہونی چاہئے، لہذا آج کل کے جو بھی حالات ہیں، میرے دوستو، میرے عزیزو، میرے بھائیو! ہمارا فرض بنتا ہے کہ شریعت کے خلاف کچھ نہ کریں، شریعت کے خلاف کوئی بات نہ آئے، شریعت پر استقامت کے ساتھ جمے رہیں، تاکہ ہماری زندگی استحکام پذیر ہوجائے، اور دو چیزیں اپنے عمل میں پیدا کریں، سنت کے مطابق عمل ہو، اور اخلاص سے وہ عمل معمور ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

ایمان کب مکمل ہوتا ہے؟

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين ، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين أما بعد

عن عمار بن ياسر رضى الله عنه قال : ثلاث من جمعهن جمع الإيمان الإنصاف من نفسك وبذل السلام للعالم والإنفاق من الإبطال۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کا ارشاد ہے اور صحابہؓ کے ارشادات حدیث کے حکم میں ہوا کرتے ہیں، اسلئے کہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں، لہذا یہ حدیث جو امام بخاریؒ نے نقل کی ہے اس میں یہ ارشاد ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرو، تمام عالم میں سلامتی کو عام کرنا، سلامتی کی اشاعت کرنا، اور حاجت ہوتے ہوئے، ضرورت ہوتے ہوئے، تنگ دستی کے زمانے میں غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنا، یہ تین صفات ہیں، تین خصلتیں ہیں، جن حضرات کے اندر پائی جائے گی، تو ارشاد ہے کہ ''جمع الإیمان'' اس نے ایمان کو جمع کرلیا، ایمان بہت بڑی دولت ہے، یہ اس کے تین ستون ہیں، اور تینوں کا تعلق ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے، الإنصاف من نفسک کی تشریحات میں ہمارے علماء نے یہ بات کہی ہے کہ جو اس پر حقوق عائد ہوتے ہیں، جس نوعیت کے بھی ہوں، جہاں بھی ہم ملازمت کررہے ہیں، کام کررہے ہیں، خدمت کررہے ہیں، اس نوعیت سے ہمارے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسکو ہم ادا کریں، دوسرے نمبر پر یہ کہ ہم اس کی ادائیگی میں انتظار نہ کریں کہ ہم سے

مطالبہ کیا جائے، کہ یہ ادا کرو، یہ کرو، اسی ذیل میں اگر کسی کا حق ہمارے اوپر ہے، قرض کی شکل میں، معاملات کی شکل میں، تو اس کو یہ نہیں کہ ابھی مطالبہ نہیں ہے، لہذا اس کو پورا نہ کیا جائے، بلکہ مطالبہ سے پہلے اس کو پورا کرلیا جائے، اور نمبر تین الإنصاف من نفسک کی بات یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے، وہی دوسروں کے لئے بھی وہ چاہے، وہ چاہتا ہے کہ کوئی اسے گالی نہ دے، وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس پر ظلم نہ کرے، وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ نہ کرے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہو، وہ چاہتا ہے کہ اس کی پذیرائی کی جائے، لہذا اس پر یہ فرض بنتا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی یہ معاملہ کرے، یہ الإنصاف من نفسک ہے، اللہ عزوجل نے قرآن پاک کے اندر اسی احساس کو عام کرنے کے لئے فرمایا ہے ﴿یأیھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ أنفسکم أو الوالدین والأقربین ﴾، اللہ رب العزت نے فرمایا: اے ایمان والو! انصاف کو پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو، بالقسط انصاف، قسط کے معنی انصاف کے ہیں، گواہی انصاف کے ساتھ ہو، خواہ وہ اپنی ذات پر کیوں نہ ہو، اپنے والدین کے خلاف کیوں نہ ہو، اپنے اقارب ورشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو، لیکن اگر انصاف ہے تو اس انصاف کے تقاضہ کو پورا کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے، لہذا ایک مومن سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ انصاف کے تقاضہ کو پورا نہ کرے، ناانصافی کے دو محرکات ہیں، ایک ذاتی منفعت یا اپنے احباب، رفقاء، اقارب کی طرف داری، اور ایک دشمنی، جب طرفداریاں آتی ہیں تو انصاف کے تقاضہ کو بھول جاتا ہے، اور جب دشمنی سامنے ہوتی ہے تو انصاف کے تقاضہ کو فراموش کر دیتا ہے، قرآن پاک میں دو آیتیں بہت واضح آئی ہیں، پہلی آیت جو میں نے

تلاوت کی، یہاں وہ طرف داریاں ہیں، یہاں رفقاء واحباب کی طرف داریوں کی بنیاد پر انسان انصاف کے تقاضہ کو پورا نہیں کرتا، لہذا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یأیھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علیٰ أنفسکم أو الوالدین والأقربین﴾ اور دوسری آیت جہاں دشمنی کی بنیاد پر ناانصافی ہوتی ہے وہاں فرمایا ﴿یأیھا الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط﴾، وہاں اللہ کو مقدم کیا، یہاں انصاف کو مقدم کیا، انصاف کے تقاضہ ہیں تو طرف داریاں چھوٹ جائیں گی، اور اللہ کی ہیبت ہے تو دشمنی کی بنیاد پر وہ انصاف کے تقاضہ کو پورا کرے گا، تو سورہ مائدہ کے اندر اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ﴿یأیھا الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ أن لا تعدلوا إعدلوا هو أقرب للتقویٰ، واتقوا الله إن الله خبیر بما تعملون﴾، اللہ نے وہاں فرمایا إن الله کان بما تعملون خبیراً، اور یہاں فرمایا إن الله خبیر بما تعملون، اللہ باخبر ہے جو کچھ تم کررہے ہو، یہی نہیں انصاف کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے میثاق کو اتارا ہے، جس طرح اللہ نے آسمان سے بارش کو نازل کیا اور زمین ہری بھری ہوگئی، فصل اور میوہ جات وجود میں آگئے، ہماری غذائیں ہمیں ملیں، پانی پینے کو ملتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی طرح سے میزان کو بھی اتارا، وأنزلنا الحدید لوہے کو بھی اتارا، ﴿لقد أرسلنا رسلنا بالبینات وأنزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط﴾ ہم نے بھیجا انبیاء علیہم السلام کو کھلے ہوئے دلائل، کھلے ہوئے احکامات دے کر، اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی، کتاب نازل کی کہ حق کیا ہے باطل کیا ہے، انصاف کیا ہے ظلم کیا ہے، جور کیا ہے، زیادتی کی ہے، ان

ساری چیزوں کو ہم نے کھول کر بیان کیا اور پھر اس کو تولنے کے لئے ہم نے ترازو کو بھی اتارا ہے، لہذا کل اللہ رب العزت انصاف کی بارگاہ میں مالک یوم الدین کہ انصاف کے دن کا وہی مالک ہے، لہذا انصاف کے تقاضہ کو پورا کرنے میں جو چیزیں مانع ہوتی ہیں قرآن پاک نے اس کو بھی بیان کیا ہے، اور اصل گواہوں کی بنیاد پر آج بہت سے انصاف کے تقاضہ پورے نہیں ہوتے ہیں کہ کورٹ تک گواہیاں نہیں پہنچتی ہیں، گواہوں کے ساتھ وہ معاملہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی گواہی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ولا تکتموا الشھادۃ ، ومن یکتمھا فإنه اثم قلبه﴾، دیکھو گواہی کو چھپاؤ نہیں، اگر تمہارے سامنے یا تمہارے علم میں کوئی بات ہے تو اس کو تم پہنچادو، جو گواہی چھپائے گا تو اس نے اپنے دل کو گندا کر دیا اور دل جب گندا ہوگا تو سارے اعمال گندے ہو جائیں گے، عقیدہ گندہ ہو جائے گا، اور گندے عقیدہ کو، گندے اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے، اسی طرح سے جاہل ہے، گنوار ہے تو قرآن مجید کہتا ہے: ﴿ولا یضار کاتب ولا شھید﴾، معاملات کی تحریر لکھنے والا یا گواہی دینے والے کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، یہ وہ بندشیں ہیں، حصار ہیں جس کے ذریعہ انصاف کے تقاضہ پورے کئے جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا، لہذا اپنی زندگی سے، اپنی ذات سے معاشرہ کے ہر فرد تک اس تقاضہ کی تکمیل کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے، یہ نہیں کہ اس میں ذات آڑے آئے، اس میں قبیلہ آڑے آئے، اس میں خاندان آڑے آئے، اس میں جنس آڑے آئے، آج کا کورٹ یہی کرتا ہے، آج کے فیصلہ اسی کے تناظر میں ہوتے ہیں، لہذا یہ کون ہے جس کی بنیاد پر فیصلہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ فیصلہ کرنے والا کل اللہ کے یہاں حق کا حق اور باطل کا باطل اس کے سامنے آکر

رہے گا، لہذا یہ ہمیں اپنی ذات سے نہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ انصاف کورٹ کا کام ہے، حکومت کا کام ہے، نہیں! یہ کام آپ کا ہے، ہر لمحہ یہ آپ کے ساتھ ہے، ہر مرحلہ میں آپ کے ساتھ ہے، ہر خانوادہ میں ہر فرد کے ساتھ ہے، والدین کے ساتھ، پڑوسی کے ساتھ بھائیوں کے ساتھ، بہنوں کے ساتھ، استاد کا شاگرد کے ساتھ، شاگرد کا استاد کے ساتھ، حاکم کا محکوم کے ساتھ، محکوم کا حاکم کے ساتھ، یہ انصاف کے تقاضہ پورے ہونے چاہئے، اگر نہیں کرتے ہیں، اس پر دھیان نہیں دیتے ہیں، اس پر توجہ نہیں دیتے ہیں، تو کل اللہ کے حضور میں جو احکم الحاکمین ہے ہمیں بڑی رسوائی اٹھانی پڑے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازے، اور اس پہلو پر ہمیں غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم اپنے کام میں، جس کام کے اندر ہیں، اس کام میں ہم کہاں تک اسکا حق ادا کر رہے ہیں، ہم اس میں کوئی حق تلفی تو نہیں کر رہے ہیں، کوئی نا انصافی تو نہیں کر رہے ہیں، ہم اس میں کوئی اعراض تو نہیں کر رہے ہیں، ولا تلو و ولا تعرضوا نہ زبان میں کجی آئے اور نہ اعراض آئے، جو بات واضح ہے اس کو سامنے لے آنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم ہے اور ہمیں اس پر عمل کرنا اس حیثیت سے کہ ہم اس کے عبد ہیں اور وہ ہمارا معبود ہے، ہم اسکے محکوم ہیں وہ ہمارا حاکم ہے، ہم اس کے مامور ہیں وہ ہمارا حاکم ہے، اللہ ہمیں توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

اصلاح معاشرہ کیسے کیا جائے؟

الحمد لله، الحمد لله رب العالمين ، والصلوٰة والسلام علیٰ سيد المرسلين وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعين أما بعد

قال الله عزو جل فى القرآن المجيد، والفرقان الحميد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ،والذين يمسكون بالكتاب وأقامو ا الصلوٰة إنا لا نضيع أجر المصلحين صدق الله العظيم .

حضرات!

آج کل جلسہ جلوس کا بڑا رواج ہے، اور عام طور پر جو جلسہ یا اجلاس ہورہے ہیں اس کا عنوان ہوتا ہے اصلاح معاشرہ، اصلاح معاشرہ سے عام طور پر ہمارے ذہن میں یہ بات آتی ہے اور خاص طور پر مقررین کا جو موضوع ہوتا ہے وہ معاشرتی زندگی کا وہ خاص پہلو ہوتا ہے جو مرد وعورت کے تعلقات، نکاح، جہیز و طلاق کے مسائل پیش نظر ہوا کرتے ہیں، حالانکہ معاشرہ صرف اسی پہلو کو اہمیت نہیں دیتا ہے، بلکہ معاشرے کے بہت سارے مسائل ہیں جس سے ہمیں سابقہ ہے، اور جس میں ہمیں شریعت کا لحاظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، معاشرہ خاندان سے تشکیل پاتا ہے، خاندانی روابط کی بنیاد پہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم جانوروں کا جو باہمی رابطہ ہے اس کی بنیاد پہ ان کے معاشرہ کو ہم تشکیل نہیں دے پاتے، جمادات کا معاشرہ، نباتات کا معاشرہ، حیوانات کا معاشرہ نہیں کہا جاتا

ہے، اس لئے کہ خاندانی روابط اور اس کے جو مقاصد واغراض ہیں، اور جسکی بنیاد پر محبت وسلوک کو سامنے رکھتے ہوئے باہم ایک دوسرے سے معاملہ کیا جاتا ہے، اور اس میں اخلاقیات کا پہلو باوزن قرار پاتا ہے، وہ ان میں نہیں ہوتا ہے، لیکن انسانی معاشرہ اس کے اندر یہ چیز بدرجہ اتم موجود ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا ﴿**وعاشروهن بالمعروف**﴾ خاندان کا وجود نکاح کے ذریعہ ہوتا ہے، اس میں اہم عنصر مرد وعورت ہے، لہذا وہیں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، تو معاشرہ وہ تمام تر چیزیں ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، انفرادی زندگی سے ہے، اجتماعی زندگی سے ہے، ان ہی پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، ہم اگر غور کریں تو معاشرہ کی اصلاح کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں، (۱) جس کا تعلق داخلی محاذ سے ہے، (۲) جس کا تعلق خارجی محاذ سے ہے، جس کا تعلق داخلی محاذ سے ہے اس کے دو حصہ ہیں، ایک نیت ہے جس کو ہم اخلاص کہہ سکتے ہیں، اور ایک ایمان ہے جس کو ہم عقیدہ کہہ سکتے ہیں، اور نمبر دو عمل ہے، اور عمل سنت کے مطابق ہو، تو گویا یوں کہیے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے تین عناصر ہیں، (۱) اخلاص جس کو نیت کہتے ہیں، نیت خالص ہو، اللہ کے لئے ہو، نیت کے اندر کوئی نفاق نہ ہو، نیت کے اندر کوئی کمی نہ ہو، کوئی دجل وفریب نہ ہو، اگر نیت صحیح نہیں ہے تو بڑا سے بڑا عمل اللہ رب العزت کے یہاں جب قابل قبول نہیں ہوگا تو فساد کا موجب ہوگا، جب منڈی میں غلّہ جائے، اور منڈی میں پھل جائے اور منڈی پھل قبول نہ کرے تو کسان کیا کرے گا، کہاں لے کر جائے گا، وہیں چھوڑ کر چلا جائے گا، اور وہی غلّہ، اور وہی آلو، وہی پیاز اور وہی سیب سڑ کر کے فساد کا موجب بنتا ہے، اسی طرح اللہ رب العزت کے یہاں جب اپنے اعمال جو اس نے خود کئے ہیں لیکن وہ منڈی میں اللہ رب العزت کے حضور میں قابل قبول نہیں ہیں تو وہ عمل اس کا موجب فساد

بن جاتا ہے، حدیث شریف میں اسی لئے آتا ہے کہ ایک عالم کو بلایا جائے گا، ایک سخی کو بلایا جائے گا، ایک مجاہد کو بلایا جائے گا، اور یہ تینوں اپنے اعمال کے اعتبار سے باوقار زندگی کے حامل ہوں گے، لیکن نیت کی کھوٹ کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عمل کو رد فرمادیں گے اور انھیں جہنم میں ڈالا جائے گا، تو معلوم ہوا کہ نیت اصل سرمایہ ہے، تو نمبرایک اصلاح معاشرے کے لئے جو لازم ہے وہ یہ کہ ہماری نیت درست ہو، لہذا اپنی انفرادی زندگی واجتماعی زندگی کے اندر جو حقوق اللہ وحقوق العباد سے متعلق ہے اس کو صحیح کرنے کے لئے، اس کو صحیح رکھنے کے لئے اور اس کا صحیح نتیجہ اجر وثواب پانے کے لئے نیت کا صحیح ہونا لازم ہے اور ضروری ہے، لہذا ہر فرد اگر اس پرغور کرے تو یہیں سے معاملہ صحیح ہوجائے، سارا معاشرہ درست ہوسکتا ہے جب بیج درست ہوجائے، وہ پودہ صحیح ہو جس کو لگایا جارہا ہے، تو انشاء اللہ اس کا اجر وثواب، اور اس کا پھل، اور اس کا غلّہ بہتر اور قابل قبول ہوگا، تو نمبرایک نیت ہے، اور نمبر دو ایمان ہے یعنی جو کچھ ہم کررہے ہیں اللہ کے لئے کررہے ہیں، اللہ کی ذات پر ہمارا اعتقاد ہے، اللہ پر ہم ایمان رکھتے ہیں، قرآن پاک کی وہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ان دو پہلوؤں کی طرف نشاندہی کرتی ہے، ﴿والذين يمسكون بالكتاب﴾ اور وہ لوگ جو کتاب کو تھامتے ہیں مضبوطی کے ساتھ، یہاں یأخذون نہیں فرمایا، یہاں یقرؤون نہیں کہا گیا ہے، کہ وہ لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں، نہیں! یمسکون بالکتاب قرآن پاک میں ایک ہی جگہ ہے، اس لفظ کے ساتھ قرآن پاک میں کہا گیا ہے والذين يمسكون بالكتاب اور وہ لوگ جو مضبوطی سے تھامتے ہیں، سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف وہ اچھے غلاف میں اس کو رکھتے نہیں ہیں، اس کو سجا کر کے نہیں رکھتے ہیں، یا صرف پڑھ نہیں لیتے ہیں، یا وظیفہ کو طور پر کچھ سورتوں کی

تلاوت نہیں کرلیتے، بلکہ اپنی زندگی میں ان احکامات کو جو اللہ رب العزت نے عطا فرمائے ہیں، اس کو قبول کر کے عمل کرتے ہیں، یمسکون تمسک یہی ہے، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا من تمسك بسنتي عند فساد أمتي ، من أخذ بسنتي نہیں فرمایاہے، من قرأ بسنتي نہیں فرمایاہے، من كتب بسنتي نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا من تمثك بسنتي یعنی سنت عمل کے لئے ہے، سنت زندگی میں لانے کے لئے ہے، زندگی میں اس کا رنگ اور آہنگ چڑھ جائے اور وہی زبان بولے، وہی اعضاء بولے، اور وہی نظر دیکھے، اسی ذہن وفکر، عقل و وجدان وشعور پر چھاپ نمایاں ہو، تب تمسک ہوتا ہے، یہاں يمسكون بالكتاب، کتاب کو تھامے، قرآن پاک کے جو احکامات ہیں، قرآن پاک کے جو قوانین ہیں، اللہ نے اس کے اندر جو فرمایا اس کو مضبوطی سے پکڑلے، وأقاموا الصلوٰة، اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہماری زندگی میں وہ چھاپ ہے یا نہیں ہے، اس کے لئے حقوق اللہ میں سب سے ممتاز اور نمایاں عبادت ہے اس کا ذکر اللہ رب العزت نے کیا ہے، اس لئے اس کا ذکر کیا کہ یہ دوسروں کی نظر میں بھی آتی ہے، اس سے اسکا رنگ وآہنگ نظر آتا ہے، وأقاموا الصلوٰة اور انھوں نے نماز قائم کیا ہوا ہے، کریں گے نہیں کہا گیا، أقاموا الصلوٰة، پہلے میں تو یمسکون وہ تھامے ہوئے ہیں، مضبوطی سے پکڑیں گے، کسی چیز کا حق ہوتا ہے، کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے، جس قانون پہ عمل کرنا ہوتا ہے، اس میں آگے بڑھ کر وہ اقدام کرتے ہیں اور لیتے ہیں، لیکن اللہ کے حق میں نماز نمایاں چیز ہے، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا الصلوٰة عماد الدين ، من أقامها أقام الدين ، ومن تركها فقد هدم الدين ، تو گویا تمسک بالکتاب کا اس کے تعلق سے اظہار اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ نماز کو قائم کئے ہوئے ہے، اور جب نماز پڑھے گا، اللہ کے

سامنے جھکے گا تو انشاءاللہ وہ شرک وکفر سے بچے گا، جب دل جھکے گا تو انشاءاللہ عقل تابع ہوکر کے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے اسے شیدہ بنادے گی، لہذا ایسی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی وہ نہیں کرسکتا، تو اصلاح معاشرہ کے لئے نمبر ایک نیت کا اور نمبر دو ایمان وعقیدہ کا درست ہونا، سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں ڈرتا، اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ ہی کے حکم پر چلتا ہے، اور تیسری چیز جو اس کا اہم عنصر ہے کہ وہ عمل اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، تو اصلاح معاشرہ انشاءاللہ ہر چیز میں ہوگا، چاہے نکاح ہو، طلاق ہو، غم ہو یا خوشی ہو، معاملات ہوں یا اخلاقیات ہوں، منفیات ہوں یا ایجابیات ہوں، جو بھی ہو جب اللہ کے رسول کے عمل کے مطابق ہماری زندگی ہوجائے گی تو انشاءاللہ وہ قابل قبول ہوگی اور معاشرہ چڑھتا اور آگے بڑھتا رہے گا، اس کی طرف ہمیں توجہ کی ضرورت ہے، اسی پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إنا لا نضيع أجر المصلحين﴾ کہ جب تم یہ کروگے تو ہم ایسے اصلاح کرنے والے ہیں کہ انفرادی زندگی کی بھی اصلاح کرتے ہیں، اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح کرتے ہیں، اخلاقی عمل کی بھی اصلاح کرتے ہیں، معاملات کی بھی اصلاح کرتے ہیں، ہم ان کے اجر وثواب کو ضائع ہونے نہیں دیں گے، یوں مظاہرہ کے طور پر، مشاہدہ کے طور پر بڑا عمل نظر آئے گا، لہذا سخی کی ہم نے مثال دی، مجاہد کی مثال دی اور عالم کی مثال دی، ان کا عمل باطل کرنے کی بات کہی گئی، ایسے بڑے بڑے اعمال ہوں گے جو باطل ہوں گے، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، ہم نیت بھی درست کریں، ایمان میں استحکام پیدا کریں، اور عمل جو بھی ہو جناب محمد رسول اللہ کی سنت کے مطابق ہو، اللہ ہم سب کو توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

قلبی سکون کیونکر مل سکتا ہے؟

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور أنفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريک له ، ونشهد أن سيدنا ومولٰنا وحبيبنا وشفيعنا ونبينا محمداً عبده ورسوله أما بعد : قال الله عز وجل فی القرآن المجيد والفرقان الحميد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم الذين آمنو ا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم أو لئک لهم الأمن وهم مهتدون(الأية)صدق الله العظيم .

حضرات!

میں اخبار دیکھ رہا تھا، اس میں ایک خبر میں نے پڑھی، وہ خبر یہ تھی کہ لکھنؤ کے ایک بڑے آفسر نے خودکشی کرلی، خودکشی کیسے کی؟ اسکے دولڑکے تھے، دونوں کو لے کر کے گومتی کے پل پر گیا، اور بڑے لڑکے کو اس نے دریا میں ڈھکیل دیا، اور چھوٹے لڑکے کو گود میں لے کر دریا میں کود گیا، بڑا لڑکا تیر کر نکل گیا لیکن چھوٹا لڑکا جو اس کی گود میں تھا، اور وہ خود دریا کی نظر ہوگیا، خودکشی کرلی، لاش کئی دنوں کے بعد ملی، یہ خبر پڑھ کر کے خیال ہوتا رہا کہ عہدہ بھی ہے، ملازمت بھی ہے، اور اچھی تنخواہ بھی ہے، ان سب کے باوجود انسان خودکشی کیوں کرتا ہے؟ اس کا جواب ظاہر ہے، یہ ہے کہ جب

حالات Normal نہ ہوں، ذہنی سکون غائب ہو، فساد انگیز حالات سے سابقہ ہو، تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے، یہ حالات اور واقعات خانگی زندگی کے ساتھ یا بیرونی یا خارجی حالات کے ساتھ یا معاشرہ اور سماج کے ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کرنے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، اس میں اسلام ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے، ایک ایمان والا بھی ایسے حالات سے دوچار ہو سکتا ہے اور خصوصاً آج کے جو حالات ہیں، ہمارے نوجوان جس فکر انگیز حالات سے دوچار ہیں، تو وہی نوجوان ڈپریشن اور ٹینشن کا شکار ہو جاتے ہیں، اللہ عزوجل نے قرآن پاک کے اندر، اور نبی پاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے سنت کے اندر، حدیث پاک کے اندر اس کا علاج ہمیں بتایا ہے، اور ہم ایمان والے اس پر یقین رکھتے ہیں، اللہ نے ہمیں زمانہ بھی دیا، ماحول بھی دیا، جسم بھی دیا، جان بھی دی، عقل و خرد ہوش و حواس سے بھی نوازا، ہماری نشو نما کے لئے اس نے ہمارے تقاضہ کے مطابق اپنی بہت سی نعمتوں سے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، تو ان احوال کو بھی ہمارے مطابق بنانے کے لئے اس نے ہمیں کچھ سکھایا ہے، اللہ کے علم میں یہ ساری باتیں جو پیش آرہی ہیں تھیں تو اس کا علاج بھی اس نے متعین کیا ہے، لہٰذا جس آیت کریمہ کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے وہ نسخہء کیمیاء ہے جس کے زریعہ ہم فساد انگیز احوال سے دوچار ہوتے ہوئے ذہنی اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: الذین آمنوا ولم یلبسوا إیمانهم بظلم أولئک لهم الأمن وهم مهتدون، جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، ظلم حق تلفی کو کہتے ہیں، ظلم کا تعلق اللہ کی ذات سے بھی ہے، کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں جب کہ اللہ نے ہم سب کو پیدا کیا، کسی کو شریک سمجھنا یہ ظلم ہے، اس کو شرک کہا جاتا ہے، اور اپنوں کے ساتھ ہم زیادتی کریں، جور و جفا کا معاملہ کریں، حق تلفیاں کریں، یہ بھی ظلم ہے، لہٰذا وہ تمام حق

تلفیاں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں، ایک لفظ ''ظلم'' میں آجاتی ہیں، اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ جو ایمان لے آئے، اور انھوں نے اپنے ایمان کو کسی قسم کے ظلم سے آلودہ نہیں کیا، انہی کے لئے چین ہے، راحت ہے، قلبی سکون ہے، ذہنی ٹینشن سے آزادی ہے، فساد انگیز ماحول میں چین و سکون کی بانسری بجا سکتے ہیں، اولئک لهم الأمن وهم مهتدون اور وہی اپنے مقصد تک پہنچ سکتے ہیں اور پہونچائے جا سکتے ہیں، وہی راہ یاب ہیں، مقصد تک پہنچنے کے لئے، ہدف کو پانے کے لئے، گول کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ ہماری صحیح رہنمائی ہو، اور صحیح ضابطہ پر عمل کریں، تو یہ آیت ہمیں اس طرف توجہ دلا رہی ہے کہ اپنے آپ کو ہم کسی قسم کے ظلم سے دور رکھیں، اگر ہم امن چاہتے ہیں، چین چاہتے ہیں، آسانی چاہتے ہیں، سہولت چاہتے ہیں، اطمینان قلبی چاہتے ہیں، تو ہمارے لئے لازم ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری پوری رعایت کریں، اور ایمان جب آگیا، یہ پہلی چیز ہے، اطمینان کے لئے پہلی چیز ہے ایمان، حضرت عبد اللہ ابن سفیان حضور ﷺ کی خدمت میں آرہے ہیں اور آپ ﷺ سے اپنے حالات کا تذکرہ فرما رہے ہیں، اور گویا اتنے پریشان ہیں کہ حضور ﷺ سے لمبی چوڑی بات سننا نہیں چاہتے، ذہنی ٹینشن بھی ہو سکتا ہے قلبی پریشانی بھی ہو سکتی ہے، خانگی احوال بھی ہو سکتے ہیں، معاشرتی مسائل بھی ہو سکتے ہیں، سماجی پریشانیاں بھی پیش آسکتی ہیں، اس حالت میں حضرت عبد اللہ ابن سفیان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے کہا حضور لمبی چوڑی بات نہیں، ہمیں تو بس ایسی بات بتا دیجئے کہ ذہن میں رہے، محفوظ رہے، اور سارے مسئلے ہمارے حل ہوں، اللہ کے رسول ﷺ نے کیا فرمایا؟ قل آمنت بالله ثم استقم، اللہ پر ایمان لے آؤ، اس کا اظہار کرو کہ میں اللہ پر ایمان لے آیا، پھر اس پر جم جاؤ، حالات جیسے بھی ہوں گے، اللہ تمہیں اطمینان کی دولت سے نوازے گا، لیکن ایمان بہت مضبوط ہو، قوی ہو، ٹس سے

مس نہ ہو حالات جیسے بھی ہوں، جسطرح آندھی چلتی ہے، طوفان آتا ہے، تو اپنے لباس کو، اپنے چادر کو، اپنی ٹوپی کو، آدمی بہت مضبوطی سے لپیٹ لیتا ہے، محفوظ کر لیتا ہے، دبا لیتا ہے، چھوڑتا نہیں، ایسے ہی حالات کی سنگینی میں ہمیں ایمان پر اس طرح جمے رہنا چاہئے، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، اسی طرح ایک بدو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور انھوں نے اپنے حالات کی شکایت کی، کہ اللہ کے رسول ﷺ! حالات بہت پریشان کن ہیں، حضور ﷺ نے ان کے سامنے اطمینان قلبی کا جو جوہر ہو سکتا ہے اس کو اس انداز میں پیش کیا کہ فرمایا من أصبح منکم آمنا فی سربه معافاً فی جسده ، وعنده قوت یومه فکأنما حیزت له الدنیا کلها دیکھو! جس کو قلبی سکون اور جسمانی عافیت وصحت حاصل ہو اور ایک روز کا اس کے پاس کھانے پینے کا سامان مہیا ہو، تو گویا کہ ساری دنیا اس کو مل گئی، ساری دنیا اس کو مل گئی، یہ کب ہوگا؟ جب وہ ایمان والا ہوگا، اور اللہ کی ذات پر یقین ہوگا، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ چرندے پرندے درندے پیرندے، یہ چاروں مخلوق امن وامان کے ساتھ، ان کے پاس ایک دن سے زیادہ نہیں، صبح نکلتے ہیں شام تک آتے ہیں، ان کے پاس ایک دن کا ہے، اور صحت مند ہیں، ان کے لئے کوئی اسپتال نہیں ہے، اور اسی طرح سے دلی اطمینان ان کو حاصل ہے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، سب متحرک ہیں، نشیط ہیں، جہاں بھی ہیں، جنگل میں ہیں، چاہے پانی میں ہیں، برّ میں ہیں یا بحر میں، یا درختوں میں ان کے آشیانے ہیں، وہ چہچہا رہے ہیں، نغمہ ریز ہیں، من أصبح منکم آمنا فی سربه معافاً فی جسده ، وعنده قوت یومه فکأنما حیزت له الدنیا کلها ، حضرت عبید اللہ ابن جبیرؓ یہ بھی ایک بدو ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں وہ بھی آئے، انھوں نے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا، حضور! دلی اطمینان کی بات، قلبی سکون کی بات، ذہنی سکون کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اللہ کے رسول

ﷺ نے یہی نسخہ ان کے لئے بھی تجویز کیا، حضرت معاذ ابن جبلؓ کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ بھیج رہے ہیں، جب ذمہ داریاں ہوتی ہیں، تو پریشانیاں بھی آتی ہیں قلبی سکون نہیں ملتا ہے نیند نہیں آتی ہے، ہر وقت انسان فکر مند رہتا ہے، لہٰذا آپ دیکھیں گے عہدوں پر جو فائز ہیں، معیشت اور مادی اسباب بہت زیادہ ہیں لیکن ان کو نیند نہیں آتی، گولیاں کھا کھا کر وہ اپنے آپ کو کسی طرح سے، شراب پی پی کر کے کچھ سکون حاصل کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو جو بہت بڑی ذمہ داری دی، اور یمن بھیج رہے ہیں، تو مختصر سی دعا اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو دی، کیا دعا تھی؟ فرمایا کہ معاذ یہ دعا پڑھ لیا کرنا، أللهم اعنی علیٰ ذکرك وشكرك وحسن عبادتك ، تین لفظوں کی دعا سنی أللهم اعنی علیٰ ذکرك اے اللہ! میری تو مدد فرما اپنی یاد کے ساتھ، ہم تجھے یاد کریں، اور تیرا شکر ادا کریں، اور تیری اچھی عبادت کریں، اچھی عبادت کے لئے ذہنی سکون ہونا ضروری ہے، استحضار ہونا ضروری ہے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر ایک صحابی سے کہا کہ قلبی سکون چاہئے تو لا یزال لسانک رطباً بذکر اللہ تمہاری زبان تر رہے اللہ کی یاد سے، اللہ کی یاد سے تر رہے سارے مسئلہ تمہارے حل ہونگے، لہٰذا ذکر الٰہی کے بعد استقامت ہے، صبر ہے اور صبر پر اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا نوازتے ہیں، اتنا نوازتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اولئک یؤتون أجرهم مرتین بما صبروا ویدرؤون بالحسنة السيئة ، اللہ تبارک وتعالیٰ دہرا اجر کا وعدہ فرما رہے ہیں، جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، لہٰذا ایمان، ذکر اللہ اور صبر اسکے ذریعہ فساد انگیز ماحول میں اطمینان قلبی حاصل کرنے کا نسخہ کیمیا ہے، اللہ اس سے ہمیں نوازیں گے، اور آج کل کے حالات جس سے ہم دوچار ہیں، ایسے میں ہمیں اس طرف متوجہ ہونا چاہئے، اللہ کی توفیق ہم سب کو ملے ہماری دعا ہے۔

☆☆☆

کوئی بات بغیر تحقیق کے نہیں کہنی چاہئے

الحمد لله رب العالمین ، والصلاة والسلام علیٰ سید المرسلین ، وعلیٰ آله وصحبه أجمعین أما بعد !

قال الله عز وجل فی القرآن المجید والفرقان الحمید ، أعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم والله أخرجکم من بطون أمهاتکم لا تعلمون شیئا ، وجعل لکم السمع والأبصار والأفئدة لعلکم تشکرون ، صدق الله العظیم

اللہ وہ ہے جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ،تم کچھ نہیں جانتے تھے ،اسی نے تمہارے لئے سننے کے لئے کان بنائے ، دیکھنے کے لئے آنکھیں عطافرمائیں ،اور سمجھنے کے لئے دل ودماغ عطافرمایا، تاکہ تم شکر کرو لیکن بہت کم تم شکرادا کرتے ہو، یہ سورہ نحل کی آیت ہے، یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ جو کچھ ہماری صلاحیت ہے، جو کچھ بھی سلیقہ حاصل ہوا ہے، علم وفہم وفراست کی جو دولت بے بہا ہمیں ملی ہے، یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے ،ایک نعمت ہے، جسکی ہمیں قدر کرنا چاہئے ،لھذا ہم سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، تجزیہ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کہ اللہ رب العزت نے یہ تمام تر صلاحیتوں سے نوازا ہے، ہم بہت کچھ جاننے کے لئے ، سننے کے لئے ، سمجھنے کے لئے ، اس کی تہہ تک پہونچنے کے لئے دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں، ہم ہرجگہ نہیں پہنچ سکتے ، ہر

بات کو نہیں سن سکتے ہیں، ہر موقع پر ہم حاضر نہیں رہ سکتے ہیں، ہر چیز کا تجزیہ نہیں کرسکتے ، ہر معاملہ کے تعلق سے ہم خود اس کو سمجھنے پر قادر نہیں ہوسکتے ہیں، اس کے لئے ہم دوسروں کے محتاج ہیں، اسی وجہ سے سارا نظام ہے خبر دینے کا ، ریڈیو کا نظام ہو، ٹی وی کا ، انٹرنیٹ کا نظام ہو، یا آج جو اور دیگر آلات ہیں، ذرائع ہیں ابلاغ کے، ان سب کا محور اور مقصود یہی ہے کہ آپ تک وہ چیزیں پہنچ سکیں، خبریں آسکیں ، جہاں تک آپ نہیں پہنچ سکتے ، آپ کی قوت سامعہ کام نہیں کرتی ، لیکن اس سننے اور سمجھنے میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر بات جو کہی جائے ، ہر خبر جو سنی جائے ، ہر منظر جو دیکھا جائے ، ضروری نہیں کہ وہ ویسا ہی ہو جیسا اس کو پیش کیا جارہا ہے، اس ذیل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر ہماری رہنمائی فرمائی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ﴿ **یأیها الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا أن تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین** ﴾ (الآیة) اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی ایسا فرد جو نا قابل اعتبار ہو، وہ کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کرلیا کرو، اچھی طرح معلوم کرلو، ایسا نہ ہو کہ تم اس پر اعتماد کرکے کارروائی کرو اور پھر تمہیں پچھتانا پڑے ، کہ ہم نے غلط کیا ، ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ، آپ کا اسوۂ حسنہ بھی اس بات پر دلالت کررہا ہے ، ایک صحابی جلیل جو بہت دور سے تشریف لاتے تھے اور ہر نماز کو باجماعت ادا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے ، پیدل چل کے آتے تھے ، ایک صاحب نے از راہ ہمدردی ان سے عرض کیا، آپ اتنی دور سے آتے ہیں، آپ ایک سواری خرید لیجئے ، آپ کو سہولت ہوجائیگی ، انہوں نے یہ سن کے جو جملہ کہا، بظاہر بڑا تلخ جملہ تھا، سخت جملہ تھا، ترش مزاجی کی دلیل بن رہا تھا، انھوں نے کہا انی لا أحب أن یکون بیتی **مطلب** ببیت محمد صلی الله، مجھے یہ بات

پسند نہیں ہے کہ میرا گھر اللہ کے رسولؐ کے گھر سے ملا ہوا ہو، جن صاحب نے یہ مشورہ دیا تھا، ان کو بڑی چوٹ لگی، ان کو بڑا احساس ہوا، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہا: حضور! فلاں صاحب سے تو ایسی توقع نہیں تھی، انہوں نے آج جو بات کہی ہے دل پہ میری چوٹ لگی ہے، بہت سخت بات کہی ہے، میں تو ان کو مومن صادق سمجھتا تھا، لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ مومن نہیں، منافق ہیں، اللہ کے رسول نے کہا کہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے یہ جملہ نقل کیا اور کہا کہ فلاں صاحب نے یہ بات کہی ہے، کہنے والا صحابی جلیل، جسکے بارے میں کہہ رہا ہے وہ بھی صحابی، اور اللہ کے رسول ﷺ نبی برحق، لیکن اللہ کے رسول نے کوئی حکم نہیں لگایا، خاموش رہے، اور فرمایا کہ انکو بلاؤ، جب وہ آئے تو آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ ایسی کوئی بات آپ نے کہی ہے؟ کیوں کہا آپ نے؟ ایسا جملہ کیوں استعمال کیا؟ کہنے لگے حضور! میں نماز کے لئے آتا ہوں، اور آپ ہی نے فرمایا ہے کہ تم میں کوئی اپنے گھر سے باوضو ہوکر نماز کے لئے آتا ہے تو ایک قدم قدم پر اس کو نماز کا اجر وثواب ملتا ہے، وہ گویا نماز کی حالت میں ہوتا ہے، جماعت کے لئے آرہا ہے تو جماعت کا ۲۷ گنا اجر وثواب ملتا ہے، تو گویا ہر قدم نماز ہے تو مجھے ۲۷ گنا ثواب ہر قدم پر ملتا ہے، اور جمعہ کی نماز کے لئے آپ آتے ہیں تو آپ ہی کا ارشاد عالی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر قدم پہ ایک سال کی نماز اور ایک سال کے روزے کا ثواب ملتا ہے، تو حضور! اگر میرا گھر آپ کے گھر سے ملا ہوا ہو، مسجد نبوی سے جڑا ہوا ہو، تو جو یہ قدم پڑ رہے ہیں جسکا اجر وثواب اللہ کی طرف سے عطا ہو رہا ہے اس سے میں محروم ہو جاؤں گا، اس جذبہ سے میں نے یہ جملہ کہا ہے، اللہ کے رسول ﷺ سن کے خوش ہوئے اور انکو جنت کی بشارت سنائی، تو معاملہ کیا تھا اور کیا ثابت ہوا، بظاہر کیا تھا؟ لیکن اس کی حقیقت کیا سامنے

آئی، ایسے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنوالمصطلق کے پاس بھیجا، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے، ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے، حضرت ولید بن عقبہ کے بارے میں بنوالمصطلق کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضورؐ کی طرف سے مزکی یعنی زکوٰۃ لینے والا آرہا ہے، تو استقبال میں پورا قبیلہ نکل پڑا، اور عربوں کا استقبال مسلح ہوکر کے ہوا کرتا ہے، اپنے اسلحوں کے ساتھ سارے لوگ نکل پڑے، حضرت ولید ابن عقبہ نے دور سے دیکھا تو انھیں یہ احساس ہوا کہ یہ زکوٰۃ دینے والے نہیں ہیں، اور میری جان کا خطرہ ہے، تو وہیں سے واپس ہو گئے، اور واپس آکر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہا: حضور! بنو المصطلق نے زکوٰۃ سے انکار کردیا، حضور بنوالمصطلق ہمیں پاتے تو پتہ نہیں کیا کرتے، اپنی جان بچا کر کے میں بھاگ کے آرہا ہوں، اللہ کے رسول ﷺ نے جب یہ سنا تو فوراً تیاری شروع کردی کہ بنوالمصطلق پر حملہ کیا جائے، کیوں ایسا کیا انھوں نے؟ اتنے میں بنوالمصطلق کو بھی احساس ہو گیا کہ کوئی بات ہو گئی ہے، وہ کیوں واپس ہو گئے، ہم تو ان کا استقبال کرنے کے لئے نکلے تھے اور یہ اس طرح واپس گئے گویا کہ انھیں کوئی خدشہ ہو، اندیشہ ہو، لہٰذا ایک وفد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا بنوالمصطلق کا، اور انھوں نے کہا حضور! آپ کی طرف سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کا مزکی ہمارے پاس آرہا ہے، اور زکوٰۃ کی وصولی کے لئے آرہا ہے، تو ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے ہمیں یاد کیا، اور ہم نے ان کے استقبال کے لئے اپنے لوگوں کو لے کر کے نکلے اور اپنے قبیلہ سے باہر جا کر استقبال کی کوشش کی، لیکن ان کو غلط فہمی ہوئی اور وہ واپس ہو گئے، اللہ کے رسول ﷺ نے جب یہ سنا تو فوراً آپ نے ارادے کو بدل دیا، آپ نے کہا میں کیا سمجھ رہا تھا، کیا خبر دی گئی تھی اور کیا ہوا، اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ہوتی ہے، ﴿یأیها

الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبإ فتبینوا أن تصیبو ا قوماً بجھالة فتصبحو ا علیٰ ما فعلتم نادمین .﴾

خبریں سچی بھی ہوتی ہیں، جھوٹی بھی ہوتی ہیں، خبر دینے والا سچا بھی ہوتا ہے، جھوٹا بھی ہوتا ہے، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکے پاس الفاظ کی جادوگری ہوتی ہے، وہ اپنے الفاظ کے ذریعہ معاملات کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو معاملہ کو سمجھ نہیں پاتے اور صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کر کے گڈمڈ کرتے ہیں یہ ساری چیزیں ہیں معاشرے کے اندر، سماج کے اندر پائی جاتی ہے، لہذا ہمیں اس معاملہ کو سمجھنا چاہئے، اس غلط فہمی کو بھی سمجھنا چاہیے، کسی خبر اور کسی چیز کے جاننے سمجھنے اور اس سے نتیجہ نکالنے اور ہدف تک پہونچنے تک کے لئے اس کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے سے پہلے، ہمیں ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے ، حضرت سفیان ابن عبد اللہؓ نے حضور سے ایک سوال کیا کہ حضور! میرے تعلق سے جو خوفناک بات ہوسکتی ہے، اس میں بھی سب سے خوفناک بات وہ کون سی ہے؟ مجھے بتا دیجئے ، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کے کہا (یہ ترمذی کی روایت ہے،) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: أملك علیٰ لسانك ولیسع بیتك، وابك علی خطیئتك ، اپنی زبان پر قابو رکھو اور جلوتوں میں زیادہ نہ رہو، خلوتوں میں رہو، اپنے دائرے میں رہو، اپنے گھر میں رہو، اپنے احاطہ میں رہو، اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا کرو یہ تین چیزیں ہماری زندگی کے لئے آئیڈیل، رہنماء اصول ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے عطا فرمائے ہیں، جو ہماری زندگی میں بہت سے اتہامات سے، بہت سے افترا آت سے، اور بہت سی برائیوں سے حفاظت کرتے ہیں، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

رمضان کی بہاریں

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین : امابعد!

حاضرین مجلس! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے بہت قیمتی ہے اور اللہ رب العزت کے عطیات میں سب سے زیادہ اہم ہے، عبادات کا معاملہ، معاملات کی ساری تقسیم، معاشیات کی سرگرمیاں، اقتصادیات کی ساری انواع اور انسانی زندگی کی بہتر شکل کی تمثیل میں اخلاقیات کا جو رول ہے ان ساری چیزوں کو ایک علم کی حیثیت سے جانا جاسکتا ہے ، عملی پیکر اختیار کرنے کے لئے زندگی کا سہارا لینا ضروری ہے وہ اللہ رب العزت نے ہمیں زندگی دی جو کئی چیزوں سے عبارت ہے، لیکن اس میں دو چیزیں اہم ہے، اللہ عزوجل سے اس کو توانا رکھنے کے لئے اس کو مفید ومؤثر بنانے کیلئے اس کی فعالیت کو قائم کرنے کے لئے اور نتائج بہتر سے بہتر سامنے لانے کیلئے اللہ نے تین اہم نعمتوں سے اس زندگی کو نوازا ہے، اس کا تذکرہ قرآن پاک کے اندر اللہ رب العزت کا یوں ہوا ''**ھو الذی أنشأ لکم السمع والابصار والأفئدة قلیلا ما تشکرون** (مؤمنون : ۷۸)'' پھر اس ذات اللہ نے تمہارے لئے کان بنائے تم سن سکو اور نگاہیں دی جس سے تم دیکھ سکو اور افئدہ دیئے دل ونگاہ کے ساتھ ساتھ دل اور مغز کے ساتھ ذہن کے ساتھ فکر کے ساتھ تمہیں ایک زندگی عطا فرمائی ، لیکن تم بہت کم قدر کرنے والے ہو قدر نہیں کرتے ہواس کی

اپنی اس بے بہا نعمت کو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس کی قدر نہیں کرتے ہو، دوسری جگہ اللہ رب العزت نے فرمایا ’’واللہ أخرجکم من بطون أمهاتکم لاتعلمون شیئاً وجعل لکم السمع والأبصار والافئدة لعلکم تشکرون (النحل: ۷۸)‘‘ اور اللہ وہ ہے جس نے تم کو تمہاری ماؤں کی پیٹوں سے نکالا ہے، اس نے تمہارے کان بنائے آنکھیں دی اور دل و دماغ سے تمہیں نوازا تاکہ تم شکر ادا کرو، شکر کیا ہے شکر یہ ہے کہ ہم اس کو صحیح محل میں استعمال کریں لیکن ان سب کو اللہ رب العزت نے جو زندگی عطا فرمائی ہے، دو چیزوں سے عبارت ہے ایک اس کے اندر ملکوتی صفات روحانیت کا جوہر عطا کیا اور دوسری چیز سفلی جذبات حیوانیت شہوانیت اعلی جذبات اس کو بلندی کی طرف لے جاتے ہیں، اور سفلی جذبات اس کو نیچے کی طرف لے جاتے ہیں، اس علوی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ انسان کو اچھا پیکر ہم نے دیا ہے اچھا ہندام ہم نے دیا ہے اچھی باڈی ہم نے اس کو دی ہے اچھا جسم ہم نے اس کو عطا کیا ہے، اور اس کو عقل و خرد ہوش و ہواس وجدان شعور سے اسکو نوازا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب اس کا وہ غلط استعمال کرتا ہے تو ’’اسفل سافلین‘‘ اس سفلی جذبات کے آئینہ میں بہتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ نچلوں سے نیچ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو برباد کر دیتا ہے یہ دو چیزیں اس کے اندر ہے اگر ملکوتی صفات پر عامل ہوتا ہے تو ملئہ اعلی کے اندر جو مخلوق ہے جو اللہ رب العزت کے ہر کام پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہے ہر حکم پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہے اس کے اس مثالی جوہر سے اس کا جوہر بڑھ جاتا ہے ، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ گرتا چلا جاتا ہے وہ حیوان سے زیادہ

بگڑا ہوا ہوتا ہے ایک جانور سے زیادہ گیا گذرا ہوتا ہے لیکن وہ چونکہ انسان ہے مکلّف ہے ایک ایک چیز اس کی کاونٹ کی جارہی ہے اور ایک ایک چیز کا حساب اس کو اسکے اپنے مالک کے حضور میں دینا ہے وہ جو بولتا ہے وہ جو سوچتا ہے وہ جو کرتا ہے جس طرف اقدام کرتا ہے جس طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس طرف اس کی نگاہ دوڑتی ہے جس طرف ذہن اس کا چلتا ہے ان ساری چیزوں پر نظر رکھی جاتی ہے اور پھر اس کی وجہ سے اس کے نتائج عمل کے اس کے سامنے آئیں گے کل قیامت کے دن ایک ایک چیز اسکے سامنے لائی جائے گی، اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ’’**ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربک احدا**‘‘ وہ اپنے سارے اعمال کو سامنے پائیں گے سارے ایکشن وری ایکشن جو بھی تھا سب ان کے سامنے ہوگا اور آپ کا پروردگار ان پر کوئی زیادتی نہیں کرے گا جو ہوگا اللہ دکھا دے گا اور ایک وقت وہ بہت افسوس کے ساتھ حسرت کے ساتھ کہیں گے ’’یاحسرتا علی ما فرطت فی جنب الله و ان کنت لمن الساخرین ، اوتقول لو ان الله هدانی لکنت من المتقین ، اوتکون حین تری العذاب لو ان لی کرة فأکون فمن المحسنین ، بلی قدجائتک اٰیاتی فکذبت بها و استکبرت و کنت من الکافرین (الزمر: ۵۶ تا ۵۹)‘‘ ہائے افسوس میں نے اللہ کے احکام کے مقابلے بڑی حق تلفیاں کی ، ہائے افسوس حضرت میں تو مذاق اڑاتا تھا ’’ان کنت من الساخرین‘‘ یہ دیکھ کر کے کہا کرے گا، اگر اللہ مجھے رہنمائی کرتا ہدایت دیتا میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوتا میں بھی متقی بن جاتا میں راہ راست پر آجاتا اگر مجھے دوبارہ اس دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو ہم بڑے

اچھے سے وہ بھی ہر کام کو اچھا کریں گے،اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ’’بـــلـــی قدجائتک اٰیاتی ‘‘میری آیتیں میرے احکامات تو تمہارے پاس آگئے تو نے تکذیب کی تو نے اس کو نہیں مانا اور تکبر اختیار کیا، ارے یہ کیا ہے یہ مولویوں کی باتیں ہے یہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں یہ وہ چیزیں ہے جس سے دنیا میں ترقی نہیں ہوسکتی یہ خیر وفلاح کی طرف نہیں بلکہ یہ دہشت کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں ، یہ ذہن تمہارا تھا کیونکہ اس کبر کی بنیاد یہ تمہارے ذہن کے اندر پل رہی تھی ’’واستکبرت بھا‘‘ اورتم منکر بن گئے تھے لہذا ! اس دن وہ پریشان ہوگا اور جب اس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا تو وہ خوش ہوگا خوشی کے مارے اچھل پڑے گا اور اللہ کے حضور اپنے ان بندوں اپنے بھائیوں بہنوں سے کہے گا دیکھو دیکھو میرا یہ ’’فأما من أوتی کتٰبه بیمینه فیقول ھآؤم اقرء واکتٰبِیة ، انی ظننت أنی ملٰق حسابیة ، فھوفی عیشة راضیة ، فی جنة عالیة ، قطوفھادانیة ، کلواواشربواھنیٓئًابماأسلفتم فی الأیام الخالیة ، وأمامن أوتی کتٰبه بشماله فیقول یالیتنی لم أوت کتٰبیة، ولم أدرماحسابیة ، یٰلیتھاکانت القاضیة ، ماأغنی عنی مالیة ، ھلک عنی سلطٰنیة ، خذوہ فغلوہ ، ثم الجحیم صلوہ ، ثم فی سلسلة ذرعھاسبعون ذراعا فاسلکوہ (الحاقة: ۱۹ تا ۳۲)‘‘ اللہ کا یہ حکم ، بائیں ہاتھ میں جب نامہ اعمال اس کا کارڈ دے دیا جائے گا اس وقت وہ چیخ پڑے گا اور کہے گا کاش زندگی نہ ہوتی کاش یہ مجھے نہ دیا جاتا ، اللہ کا حکم ہوگا اسکو پکڑو اسکو جہنم میں ڈالو، ستر بیڑیوں میں اس کو لپیٹ کے ڈالو یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، وہ ایمان اللہ نے ہمیں آپ سب کو نوازا ہے اس ایمان سے

اللہ رب العزت نے ہمیں نوازا ہے جس ایمان کی کوئی قیمت نہیں ادا کی جاسکتی ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ’’ان الـذیـن کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولوافتدی به ، اولئک لھم عذاب الیم ومـالھـم مـن نـاصرین ‘‘ جنھوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں موت واقع ہو کل قیامت کے دن عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے روئے زمین کے برابر سونا پیش کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں فرمائے گا تو اسی جگہ میں فرمایا ’’ان الـذیـن کـفـروالـوأن لھـم مافی الأرض جمیعاومثله معه لیـفـتـدوابه من عذاب یوم القیمة ماتقبل منھم ، ولھم عذاب الیم ، یـریـدون أن یـخـرجوامن النار وماھم بخارجین منھا، ولھم عذاب مـقیم ‘‘ روئے زمین کے برابر اور اتنا اور ڈبل پیش کرنا چاہیں گے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا اب اس سے اندازہ لگایئے کہ ایمان کی جو دولت ہمیں حاصل ہوئی تو معمولی سونا کسی کے گھر پے ہوتا ہے اس کے بیگ میں چند ڈالر ہوتے ہیں تو اچک کے اس کی طرف نظر ڈالتے ہیں ۔تو اتنی بڑی قیمتی اور اتنا بڑا سرمایہ آپ کے پاس ہے تو اُچک کے آپ کی طرف نظر نہیں ڈالیں گے؟ کذّابین اور کفار آپ کی طرف نظر نہیں اٹھائیں گے؟ لہذا ! اس سے تو ہمارے ایمان میں اور اضافہ ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس یہ دولت بے بہا ہے یہ سرمایہ اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے اس کا فضل ہے جو اللہ نے ہمیں نوازا ہے ، لہذا ! ان کا ادھر دیکھنا اور متہم کرنا یا الزام تراشی کرنا یا لغوات بکنا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے پاس وہ سرمایہ ہے جس کو ہم سے لینا چاہتے ہیں ہمیں محروم کر دینا چاہتے ہیں ’’ودوالـوتکفرون کماکفروافتکونون سواء ‘

وہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی انہیں کی طرح کافر ہو جاؤ بھلا سب برابر ہو جائیں، تم نے کیسے اتنی بڑی دولت کمالی، اللہ عزوجل نے اس ایمان کی حفاظت کے لئے اس ایمان کو بروئے کار لانے کے لئے، اس ایمان کے نتیجہ خیز ہونے کیلئے اس ایمان کے مؤثر ہونے کے لئے اس ایمان واعمال کو باوزن بنانے کے لئے ہمیں کچھ عبادات معاملات اخلاقیات کی شکلیں عطا فرمائیں، انہیں عبادات میں ایک اہم عبادت روزہ ہے، روزہ اس زندگی کو بنانے کے لئے اس زندگی کی تقسیم اس مالکِ کن فکاں نے قرآن پاک کے آغاز میں فرمایا ہے کہ یہ بندگی یہ زندگی تو ہم نے دی تھی، ایک بنی بنائی زندگی دی تھی، تم صرف اسکو نکھار کر لے آتے، ایمان کے ذریعہ اس کو سنوارتے، ایمان کے ذریعہ اسکو بناتے، لیکن یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا کہ زندگی کو کافرانہ زندگی میں تبدیل کر دیا، منافقانہ زندگی میں تبدیل کر دیا، مؤمنانہ زندگی سے ان کو واسطہ ہی نہیں رہا، سورۂ بقرہ کے آغاز میں تین زندگیوں کا تذکرہ ہے، پہلی زندگی مؤمنانہ زندگی ”**ذلک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین ، الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومن مارزقنهم ینفقون ، والذین یؤمنون بماانزل الیک وماأُنزل من قبلک وبالآخرتهم یوقنون ، اولئک علی هدی من ربهم ، واولئک هم المفلحون** “ یہ مؤمنانہ زندگی ہے جس پر فلاح ہے رشد ہے کامیابی ہے، اچھے نتائج کی خوشخبری ہے، اس کے بعد کافرانہ زندگی ہے ”**ان الذین کفرواسواء علیهم ء أنذرتهم ام لم تنذرهم لایؤمنون ، ختم الله علی قلوبهم وعلی سمعهم ، وعلی ابصارهم غشاوة ، ولهم عذاب الیم** “ کافر منکر ہو گئے اب ان کو کہنا کہ یہ کرنا بے کار ہے، جب اس

حدتک وہ پہنچ چکے ہیں لہذا آپ پریشان نہ ہو جایئے، ہم نے مہر لگادی اللہ نے مہر لگادی ہے ان کے دلوں پے ان کے کان بند کر دیئے ان کا ذہن ودماغ بن کر دیا، نگاہوں پر پردہ ڈال دیا گیا، سخت ترین عذاب ان کے لئے تو یہ کافرانہ زندگی ہے، جو عیاشیوں میں بدمست ہو رہے ہیں جو مادی زندگی سے سرمست ہو رہے ہیں، تیسری زندگی وہ ہے جو منافقانہ زندگی ہے ”**ومن الناس من یقول امنابالله وبالیوم الأخروماهم بمؤمنین** “ کچھ وہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور آخرت کو بھی ہم مانتے ہیں اللہ کہتا ہے کہ وہ مؤمن نہیں ہیں، ”**یخادعون الله وهوخادعهم** “ وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ نے ان کو دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے یہ تین زندگیاں ہیں جن کا تذکرہ کیا گیا یہ آخری زندگی جس کو منافقانہ زندگی قرآن پاک کہتا ہے کہ اس کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، ایک ایک چیز کو بیان کیا ہے اور ان کے بارے میں صاف صاف کہہ دیا ”**ان المنافقین فی الدرک الأسفل من النار ، ولن تجدلهم نصیرا**“ بے شک جو منافقین ہیں جو بظاہر تو اسلام کا ڈھونگ رچتے ہیں بظاہر اسلام کی شکل وشباہت اختیار کرتے ہیں صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے، لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے، وہ یاد رکھیں کہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں اللہ ان کو ڈال دے گا، اور کوئی ان کا حامی ومددگار نہ ہوگا ”**ولن تجدلهم نصیرا**“ مگر اب یہ زندگی ہے توبہ کر لے زندگی ہے بنانے کی فکر کر لے، زندگی ہے اس مرض سے اس آفت سے، اس مصیبت سے اپنے آپ کو بچالے، ایک زندگی جو اللہ کو محبوب ہے وہ مؤمنانہ زندگی ہے اس مؤمنانہ زندگی میں سب سے زیادہ اہم جو ایمان پر دلیل بن جائے اور اللہ کا قرب جس سے حاصل ہو جائے،

اوراللہ کی خوشی اسے حاصل ہوجائے وہ ہے جوعبادت کا تصور جواسلام نے دیاہے اوراس میں سب سے اہم روزہ ہے، روزہ کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے،حدیث قدسی ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے منھ کی بومشک سے زیادہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے،اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ عمل ، یہ عبادت کس قدر پسند ہوگی ، میں نے جوآیت تلاوت کی آپکے سامنے سامیں جینے کی اہم نعمت کا تذکرہ کیاہے اوروہ نعمت اس زندگی بنانے کے لئے جوزندگی امتیاز پیدا کرنے کے لئے جومنافقانہ زندگی ہے لہذااللہ رب العزت نے فرمایا’’**شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن** ‘‘رمضان کامہینہ جس میں قرآن پاک نازل کیا گیاہے سب سے بڑی نعمت اللہ نے دی ہے ، جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلنے کاحکم دیاجارہاتھاتواللہ نے فرمایا’’**قلنا اھبطو امنھا جمیعا، فامایأتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فل اخوف علیھم ولاھم یحزنون**‘‘ اس کا آغاز وہاں تھا کہ جاؤ میری طرف سے ہدایت کا سرمایہ تمہیں دیا جائیگا جواس کودیا گیااس پرکوئی غم اورکوئی حزن وملال وخوف طاری نہیں ہوگا یہی دوچیزیں ہیں جو انسانی زندگی کوکھٹکتی ہے (ا) خسران اور پریشانیوں کے باعث خوف ودہشت ،خوف ودہشت کی بنیاد پرانسان کے اعضاء شل ہوجاتے ہیں اس کی فکروہ ہے جوبجھ جاتی ہیں اس کی توانائیاں گھٹ جاتی ہیں اس کی سرگرمیاں ماندپڑجاتی ہیں اس کے اعمال نتائج خیزنہیں ہوپاتے خوف کی بنیاد پے خوف طاری ہوتاہے، نارمل چاہئے زندگی نارمل حالات چاہئے اللہ نے فرمایا’’**فلا خوف علیھم**‘‘اگر یہ دولت تمہارے پاس ہے تو خوف کی کوئی بات نہیں

دوسرے یہ کہ حزن وملال چھن گیا دولت چھوٹ گئی، سرمایہ چھن گیا، جائداد چھن گیا، مال چھن گیا، دوکانیں چھن گئیں اولادیں اٹھتی گئیں لیکن اگر یہ سرمایہ ہے ہدایت کا وہ حضرت ایوب علیہ السلام کا سواہمارے سامنے سے قرآن پاک نے اس کو بیان کیاہے کہ ساری چیزیں چھن گئی، سب کچھ ختم ہوگیااورآخری بات یہ ہے کہ انہیں آبادی سے باہر پڑاہواپایاجارہاہے،ان کی اہلیہ ایک طبیب کے پاس آتاہے اورکہتاہے کہ میں فلاں مرض کا طبیب ہوں، آپ کے شوہر کویہ مرض ہے ، میں شرطیہ علاج کرونگا، لیکن شرط کیاہے،شرطیہ علاج میں شرط کیاہے وہ کہتاہے صرف شرط یہ ہے کہ جب شفاء ہوجائے تو یہ کہے فلاں ڈاکٹر نے مجھے اچھا کردیا، اہلیہ خوش ہوگئی کہ ایک عرصہ سے اس حال میں پڑے ہوئے ہے اورایک ایساڈاکٹر مل گیا، اس کوانہوں نے اللہ کی طرف سے گویاکہ ایک انعام سمجھافوراً آئی اورآکرحضرت ایوب علیہ السلام سے عرض کی ایساایساایک ڈاکٹرآیاہے،ایک طبیب آیاہے یہ سنتے ہی ان کا پارہ چڑھ گیاانہوں نے کہاکہ اے اللہ اے اللہ اب یہ آخری بات ہوگئی کہ میرے گھر میں شرک کی بات کہی جارہی ہے شرک کی بات کہی جارہی ہے’’**مسنی الضر**‘‘ اے اللہ شیطان نے ہمیں جوبہت تھکادیاشیطان نے مصیبت میں ڈال دیا، اے اللہ توہی اس سے نکالنے والاہے ، اللہ رب العزت کااسی وقت جوحکم آتاہے ایوب !(علیہ السلام)......اپنی ایڑی کورگڑیئے، پانی نکلے گااس پانی کوپیجئے اوراسی پانی سے غسل کیجئے ، لہذا!ایڑی کے رگڑنے سے پانی نکلنا شروع ہوگیا، وہ ٹھنڈاپانی جب انہوں نے پیاتواندرکی جتنی چیزیں تھی وہ ختم ہوگئیں ساری بیماریاں نکل گئیں اورجب اس سے غسل کیاتوساراجسم صحیح ہوگیا،اللہ نے ان کے لئے جنت

سے لباس بھیجا، اورسونے کے پروانوں کی بارش شروع ہوئی بخاری شریف کی روایت ہے کہ سونے کے پروانے ان پے برسنے لگے، اورسمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کہا ایوب ابھی طبیعت نہیں بھری، تو ایوب علیہ السلام نے کہا کہ اے رب کریم تیری برکت سے طبیعت کہاں بھرنے والی ہے اللہ تعالیٰ نے نوازا لیکن آزمائش سخت تھی ذراسی بات تھی، طبیب نے کہا تھا انہوں نے کہا یہ طبیب کون؟ یہ طبیب ابلیس تھا جوانسانی شکل میں ڈاکٹر بن کے آیا تھا اوراس وقت غصے میں ان کا پارہ چڑھ گیا کہ اہلیہ نے یہ کیسے کہہ دیا، شفاء تو اللہ کے کے اختیار میں ہے ، ”واذامرضت فھو یشفین (شعراء: ٨٠)“ جب میں بیمار پڑھتا ہوں تو وہی شفاء دیتا ہے آج ہم سب کی زبان پے یہ کلمہ یہ بات بہت Esey طور پہ آتی ہے، فلاں ڈاکٹر نے ٹھیک کردیا فلاں حاکم صاحب جاتے ہی فوراً ہم ٹھیک ہوگئے، ٹھیک کرنے کی ذات اللہ کی ہے ہم نے اس کا انتساب صرف ڈاکٹر کی طرف کردیا، وہ ذریعہ ہے اللہ نے ٹھیک کردیا، اللہ نے فیصلہ کیا ٹھیک کرنے کا تواب ٹھیک ہوگئے، یہ بھی شرک ہے، اورحضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے اس پر پوری کیوں ذکر کی اللہ نے اس کو قرآن پاک میں یہاں تک کہ اپنی اہلیہ سے اتنے خفا تھے کہ انہوں نے کہا کہ میں شفاء یاب ہونے کے بعد سوکوڑے لگاؤں گا، اب شفاء یاب ہوگئے، اللہ نے جتنی اولادیں دی تھی اسکے ڈبل اولادیں دی، جتنی جائداد تھی اس سے دگنی جائداد دی، جتنا سرمایہ تھا اس سے دگنا سرمایہ دیا، ایک لاکھ ان کے یہاں لوگ رہتے تھے اس سے زیادہ لوگوں کو دیا، یہ سب چیزیں جب آگئیں تو اب خیال ہوا کہ بیوی کو مارے کیسے؟ سب چھوڑ چکے تھے، لیکن اسی بیوی نے تو ساتھ دیا یہی رفیق حیات اسی کے ذریعہ لقمہ

ملتا تھا یہی تو خدمت کرتی تھی، ہم ماریں کیسے؟ اس کو اللہ ہی نکالتا ہے، جب تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے تو اللہ راہ بھی دکھاتا ہے ”**ومن یتق اللہ یجعلہ مخرجا** “ جو اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے راہ نکال دیتا ہے اللہ رب العزت نے فرمایا ”**وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولاتحنث ، اناوجدناہ صابرا، نعم العبد، انہ اواب** ‘ ‘ آپ ایک مٹھی سیک لے لیجئے جو سوکوڑے پر مشتمل ہے ایک مٹھی میں اوراس کو آپ اس کے جسم میں چھوادیجئے، ہوگئے سوکوڑے لگ گئے، حضرت ایوب علیہ السلام اسطرح قسم جو ہے وہ اللہ رب العزت نے زندگی کو بتانے کے لئے اس فکر کو قائم رکھنے کے لئے اورقائم کرنے کے لئے استحضار میں ہمیشہ رہے، اسکے لئے اللہ رب العزت نے ہمارے لئے روزہ کو فرض کیا ہے اس لئے کہ یہ جتنا محسب ہے دیگر اعمال اتنے محسب نہیں ہیں ہما وقت اس کی فکر ہوتی ہے صبح کی اذان ہوئی آپ چوکنے ہوگئے اگر منھ تک پانی ہے تو چاہتے ہیں کہ نہ پئیں رکھ دیں حالانکہ حکم ہے کہ پی لو، حکم ہے کہ اگر تم پانی پی رہے ہو یا کچھ کھا رہے ہواوراذان ہوجائے تو چھوڑو نہیں کھالو اس کو، لیکن ہم فوراً چھوڑ دیتے ہیں ، اس کے بعد پورا دن گذرتا ہے کتنی دفعہ خیال ہوتا ہے پانی کا، کتنی دفعہ خیال ہوتا ہے کھانے کا، لیکن ہم نہیں کھاتے، اتنا استحضار ہوتا ہے اور یہ استحضار ہم کو جائز چیز حلال چیز اسکو استعمال کرنے سے روکتا ہے تو یہی استحضار حرام چیز سے روکنے کا ذریعہ بھی گیارہ مہینے تک بنے گا، اسی لئے حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ جس کا اچھی طرح گذر گیا تو گیارہ مہینے انشاء اللہ اس کے اچھی طرح گذریں گے، اللہ رب العزت نے فرمایا ”**شھر رمضان الذی انزل فیہ**

القرآن (بقرہ: ۱۸۵)'' رمضان کامہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک اترا ہے قران پاک کواللہ نے اتارا ہے ، قرآن پاک کا مقصد ہدایت ہے ، ہدایت کا مقصد زندگی کو بنانا ہے، اورزندگی کونسی ہے مؤمنانہ زندگی بننی چاہیئے ، کافرانہ زندگی سے ہم دور رہیں، منافقانہ زندگی سے ہم الگ رہیں، اس زندگی کو بنانے کے لئے اللہ نے قرآن پاک اتارا، اسی لئے فرمایا''**الذی انزل فیه القرآن هدی للناس** '' لوگوں کے لئے وجہے ہدایت''**وبینات من الهدی والفرقان** ' 'اور یہ قرآن پاک کی تعریف وتوصیف قرآن پاک میں اللہ رب العزت خودفرمارہے ہیں کہ یہ قرآن پاک وہ ہے جس میں واضح دلائل ہیں ہدایت کے یعنی تم خود بھی ہدایت کوتلاش کرسکتے ہو،صرف میرے کہنے کی بات نہیں ہے تم خودتلاش کرکے اپنے اندرکنفیڈینس پیدا کرسکتے ہو، کہ یہ ہدایت ہے یہ ہدایت صحیح ہے یہ حق ہے لہذاحق وباطل کوپہچاننے کا جزبہ تمہارے اندر پیدا ہوجائیگا،''**والفرقان**'' تو تین صفات قرآن پاک کے بیان کئے گئے، **شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان ، فمن شهدمنکم الشهر**(بقرہ:۱۸۵)'' اتنی بڑی نعمت ہم نے دی ہے ، کچھ مجھ جیسے تو ہوجاؤ اللہ کھاتا نہیں ہے کھلاتا ہے ، اللہ پیتا نہیں ہے پلاتا ہے، اللہ سوتا نہیں ہے سلاتا ہے، اس کواونگھ بھی نہیں آتی ہے، لہذا اگرآپ دیکھیں تو یہ وصف ایک انسان کے اندراس کی بنیاد پہ پیدا ہوتا ہے کہ نہیں؟ پیدا ہوتا ہے، ایک وقت تک کے لئے کھانا چھوڑ دیا، ایک وقت کے لئے پینا چھوڑ دیا ہے کھانے پینے کی کمی کی بنیاد پر سونے کا جومزہ ہوتا ہے اس میں کمی آگئی ، اسلئے کہ کھاتے ہی ایک نشہ طاری ہوتا ہے ، جب کھائے گا ہی نہیں

تو پیٹ خالی ہے تو نشہ طاری نہیں ہوگا تو قلت منام بھی ہوگا، قلت طعام کے ساتھ قلت منام بھی ہوگا اور جب یہ چیز ہوگی تو اللہ رب العزت کے اخلاق سے قریب تر ہوگا اور اللہ کا کلام پڑھنے کی طرح رغبت بھی پیدا ہوگی تو قلت کلام بھی ہوجائیگی، اور قلت کلام جب ہوگا تو قلت اختلاط مع الناس بھی پیدا ہوگی لوگوں سے اختلاط بھی نہیں ہوگا اور یہی وہ چیز ہے جومطلوب ہے اس کے ذریعہ ''تخلق باخلاق الله '' کے دائرہ میں اسی کو بتایا گیا'' **فمن شهد منکم الشهر فلیصمه** (شهد) لفظی استعمال اس عبارت پرغور کریں کہ قرآن پاک یہ کہہ رہا ہے کہ''فمن شهدمنکم الشهر ''فمن حضر نہیں کہا فمن وجد نہیں کہا ہے، بلکہ کیا کہا(فمن شهد)شهد کے اندر خود شہادت موجود ہے یعنی وجودی طور پر جس نے اس مہینے کو پالیا وجودی طور سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، خاتون ہو تو حیض سے پاک ہو، نفاس سے پاک ہو، تب جاکر کے اس کو پانا کہے کہ اس نے رمضان کا مہینہ پایا ہے، اگر وہ بالغ نہیں ہے تو اس نے یہ مہینہ نہیں پایا، اگر حیض ونفاس میں ہے تو اس نے یہ مہینہ نہیں پایا کوئی مجنون اور دیوانہ ہے تو یہ مہینہ اس نے نہیں پایا ہے یہ تو وہ ہے جو صاحب ایمان ہے لیکن ان پر یہ ہے کہ اگر صاحب ایمان ہے تو حیض کا زمانہ اگر آگیا تو عورت جب پاک ہوجائے تو اتنے دنوں کا روزہ رکھے گی قضا اس کے ذمہ ہے، نفاس میں مبتلا ہے ولادت ہوئی ہے تو جتنے دنوں تک نفاس کا سلسلہ رہے گا اتنے دنوں کا روزہ اس کے ذمہ قضا ہے یہ بھی اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روزہ اگرفوت ہوجائے اور ہم زندگی بھر روزہ رکھے تو وہ زندگی بھر کا روزہ ایک روزے کی کفایت

نہیں کرسکتا، لیکن یہ حق ادا کرنے پر وہی روزہ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ صلہ اوراجر عطافرمائے گا، ایک جوشخص مجنون ہے دیوانہ ہے، پاگل ہوگیا رمضان کامہینہ آگیا چاند نظرآ گیالیکن دس روز کے بعدوہ صحت مند ہوگیا، اس کا پاگل پن ختم ہوگیا تو دس روز کے روزے اس کو رکھنے ہوں گے، اسی طرح حیض میں مبتلاعورت کورکھنا پڑے گا، نفاس والی کوبھی رکھنا پڑے گا، ایسی مجنون اور دیوانہ ہے اس کو رکھنا پڑے گا، لیکن اگرکوئی کافر ہے، یا کوئی نابالغ ہے تو کافرشخص اگراسلام لے آئے تو جس روزاسلام لے آئے گااس روزاس مہینے کو پایا، رمضان کے مہینے میں اگرایمان لے آتا ہے تو بقیہ جوایام گذرے ہیں، رمضان کے وہ روزے اس کے اوپرفرض ہیں نابالغ دس رمضان کو بالغ ہوگیا تو دس روزے اس کے اوپر فرض نہیں ہے اب بقیہ روزے اس کے اوپر فرض ہوجائیں گے تو ''**فمن شھدمنکم الشھر** '' جو پائے اس مہینے کو پھر پانا تین طرح سے ہوگا، رمضان کے مہینے کو پانا کس طرح ہم پائیں گے، کوئی رسی لٹک رہی ہے ہم اس کو پکڑلیں، کوئی وجودی طور پر کہ اس سے جا کے ہم معانقہ کرلیں اس کے تین طریقے ہیں، اس مہینے کو پانے کے تین طریقے ہیں: رمضان کا چاند ہم نے خود دیکھ لیا چاند تو نظر نہیں آیا، لیکن شہادتیں اتنی ملیں اس سے یقین ہوگیا کہ چاند آیا ہے تو یہ پانا ہوگیا، یا تیس تاریخ پورے ہوگئے انتیس تاریخ کو چاند نظر نہیں آیا تیس تاریخ مکمل ہوگئی تیس دن مکمل ہوگئے تو اب وہ تیسواں دن وہ پہلا رمضان کا دن ہوگا تو یہ تین طریقے اس مہینے کو ''**فمن شھدمنکم الشھر فلیصمہ** '' میں فرمایا تو روزہ رکھے اس میں بھی اللہ رب العزت نے پہلی جو آیت اس کے پہلے جو آیت ہے اس میں فدیہ کا تذکرہ ہے یا فدیہ کو منسوخ

کردیا ہے تو خیال یہ تھا کہ مریض اگر ہے تو اس کو یہ سہولت ہے کہ نہیں ہے وہ صاف ہی رہے تو اس کو یہ سہولت ہے کہ نہیں ہے تو اس دوسری آیت کے اندر اللہ رب العزت نے یہ سہولت باقی رکھی تو اسی کو فرمایا ''**یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** '' اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا ہے، اللہ آسانی چاہتا ہے ''**یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** (بقرہ: ۱۸۵)'' اب تمہارا فرض یہ ہے کہ یہ چند دن ہیں ان کو پورا کرلو ''**ولتکملوا العدۃ** '' اور اس پورا کرنے میں اللہ رب العزت نے جو تمہیں توفیق عطا فرمائی ہے اس کی کبریائی بیان کرو، کبھی خیال میں نہ آئے کہ ہم نے بعض نوجوانوں سے، بعض لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ روزہ رکھنے سے صحت اچھی ہوجاتی ہے روزہ رکھنے سے معدہ صحیح ہوجاتا ہے روزہ رکھنے سے کینسر کنٹرول ہوجاتا ہے، آج کل یہ بھی تحقیقات چل رہی ہیں ''**ولتکبر اللہ** '' اللہ کی بڑائی بیان کی تو اس نے روزہ کی توفیق عطا فرمائی کبھی ذہن نہ جائے صحت کی طرف کبھی ذہن نہ جائے مادی چیزوں کی طرف، اگر ذہن جائے تو اس رب بارگاہ کی طرف، رب کبریا کی طرف جس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ''**ولتکبر اللہ علی ماھداکم** '' اب ڈاکٹر ایک ہدایت دے رہا ہے ایک جو ہے فلاں صاحب جو ہدایت دے رہے ہیں اللہ نے جو ہدایت دی ہے، اس پر اللہ کی کبریائی ہے ''**ولتکبر اللہ علی ماھداکم ولعلکم تشکرون** '' اور تم شکرادا کرو اللہ کا ''**واذا سألک عبادی عنی فانی قریب** ''(البقرۃ: ۱۸۶) یہ آیت دعا کی ہے، اللہ رب العزت نے بیچ میں اس کے بعد والی آیت میں رمضان کا تذکرہ ہے روزے کے ساتھ ساتھ رات کس طرح

گذارے اس کا ذکر ہے، حضرت قیس ابن سرمہؓ محنت مزدوری کر کے گھر آئے تھکے ہوئے تھے، اہلیہ نے کہا کچھ گھر میں نہیں ہے جاکے کچھ تلاش کر کے لے آتی ہوں تو کچھ پکا کے آپ کو کھلاتی ہوں وہ چلی گئی اور یہ تھکے تھے، سو گئے اس وقت کا حکم آیا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ سونے سے پہلے پہلے کھا سکتے ہیں رات میں افطاری کے بعد سونے سے پہلے پہلے کھانا چاہے کھائیں، بیوی کے پاس جانا چاہے تو جا سکتے ہیں، لیکن اگر نیند آ گئی سو گئے پھر کھا نہیں سکتے، حضرت قیس ابن سرمہؓ دن بھر کے بھوکے روزے سے تھے تھکے ہارے آئے تھے، لیٹے تھے نیند آ گئی، اہلیہ نے اٹھایا تو اب اسی صورت میں پھر اب حکم تھا کے روزہ رکھا جائے لہذا روزہ رکھ لیا دوسرا دن غشی طاری ہوگئی بے ہوشی طاری ہوگئی اس کا تذکرہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کیا اللہ کے رسول ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ قرآن پاک میں کہیں یہ نہیں ہے ”**أحل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم هن لباس لكم وانتم لباس لهن**“(البقرة:۱۸۷) اس میں کہیں بھی نہیں ہے کہ قرآن پاک میں کہیں یہ حکم دیا گیا ہو کہ رمضان المبارک کی راتوں میں سونے کے بعد کھانا ممنوع ہے، عورتوں سے مباشرت ممنوع ہے یہ نہیں ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا تھا، یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو کہا ہے وہ بھی شریعت کا حصہ ہے اور اس قرآن پاک کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے اس سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ”**اھل لکم**“ میں حلال کہا تمہارے لئے حلال کیا گیا لہذا! حضرت قیس ابن سرمہؓ جب اٹھے تو بے ہوشی طاری تھی اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی ”**احل لکم**“ تو یہ آیت بعد میں ہے اور ”شہر رمضان“ کی آیت پہلے ہے، بیچ میں ایک آیت ہے، ”**واذاسألک**

عبادی عنی فانی قریب، اجیب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون“ معلوم یہ ہوا کہ روزہ خاص مناسبت ہے دعا کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کی ایک دعا جو ہے اللہ کے یہاں قبول ہے اسوقت ہی افطار کرو ”**عند فطری عند افطاری**“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ اس بنیاد میں اپنے سارے گھر والوں کو جمع کر لیتے تھے، افطار کے وقت اور دعا فرماتے کہتے تھے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ایک روایت اور نقل کرتے تھے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ جس وقت افطار کرو تو فرمایا کہ اللہ کے رسول یہ فرماتے کہ ”**ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر انشاء الله** (**ذهب الظمأ**) پیاس چلی گئی، (**وابتلت العروق**) رگیں تر ہوگئیں، پیاس بجھ گئی، **وثبت الأجر**، اور اجر ثابت ہو گیا اللہ کے فضل سے۔ لہذا! دعا کا اہتمام کرنا تو خاص اس مہینے کی مناسبت دعا سے ہے لہذا پہلے اور بعد میں دونوں تائید ہوں، تین آیتیں پہلے اور ایک آیت بعد میں بیچ میں یہ جو ہے دعا کی بات ہے ”**واذاسألک عبادی عنی**“ جب آپ سے میرے بندے میرے بارے پوچھیں تو کہہ دیجئے میں قریب ہوں فانی قریب تو روزہ رکھنے والے سے قرب الٰہی اس کو حاصل ہو روزہ رکھنے والا قرب الٰہی سے ہو برابر ہوتا ہے لہذا اللہ نے اخفاء ہے ”**ادعو ربکم تضرعا وخفية**“ اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر کے اور آہستہ آہستہ پکارو، اللہ کے رسول کے پاس ایک وفد آیا ایک گاؤں کا کہا کہ حضور یہ بتا دیجئے کہ اللہ قریب ہے کہ دور ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کیسا سوال کر رہے ہو قریب ہے کہ

دورہے،اے حضوراس لئے سوال کررہے ہیں کہ اللہ ہم سے قریب ہے تو آہستہ آہستہ مانگیں گے اوردور ہے تو زوز سے پکاریں گے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ قریب ہے’’اذاسألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذادعان ‘‘ پکارنے والا جب دعا کرتا ہے مانگتا ہے تو میں اس کی پکار کوسنتاہوں ، اسکی دعوت کوقبول کرتا ہوں اس کی درخواست جو پکارتا ہے اس کو’’فلیستجیبوالی ‘‘لہذا ان کا بھی فرض ہے کہ میری بات مانے ہم انکی بات ماننے کے لئے تیار ہیں ، میرابندہ مجھ سے رجوع کرتا ہے میں ماننے کے لئے تیارہوں انکابھی فرض بنتا ہے کہ میری بات مانے یہ کون کہہ رہا ہے مالک کل کہہ رہاہے ، جس کا سب کچھ ہے ،کتنا محبوب ہے کتنا پیار کرتا ہے وہ ذات کس قدر پیار کرتا ہے ’’اجیب دعوۃ الداع‘‘میں قبول کرتاہوں جب وہ پکارتا ہے میں اس کوقبول کرتا ہوں ’’فلیستجیبوالی‘‘تو اسے بھی ماننا چاہئے ’’والیؤمنوابی‘‘اوراس پرایمان رکھنا چاہئے تاکہ وہ فلاں بہشت پاسکیں انجام ان کا صحیح ہوسکے خیروہ پاسکیں اور آخرت میں ہم نے ان کے لئے جنت بنا رکھی ہے،آسائش رکھی ہے، راحتیں رکھی ہے نوازشوں کا سرمایہ رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کواسے یہ عطافرمائیں کہ اللہ چاہتا ہے اللہ کتنا ہم سے پیار کرتا ہے کتنی محبت کرتا ہے لہذا یہ زندگی اللہ رب العزت نے دی ہے تاکہ اسکومومنانہ زندگی کے ساتھ رکھےاوراسی لئے کہا گیا کہ’’ولاتموتن الاوانتم مسلمون‘‘اللہ نے اس کے ساتھ دیا، خاتمہ زندگی کا ہوتو ایمان واسلام کے ساتھ مؤمنانہ زندگی حاصل ہوجائے تو ہم کامیاب وکامران ہے اللہ ہم سب کوتوفیق سے نوازااس مومنانہ زندگی کی وسعت پرتمام ترسرگرمیاں عطا کی جتنے اللہ رب العزت قبول

کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنے آپ کوکافرانہ زندگی سے منافقانہ زندگی سے بچائے تاکہ آخرت سدھارسکیں بناسکیں سنوارسکیں،اللہ سے ہماری دعا ہے کہ اللہ ہم سب کوتوفیق سے نوازے’’اللھم صل علی محمدوعلی آل محمدکماصلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمیدمجید،اللھم بارک علی محمدوعلی آل محمدکمابارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمیدمجید، اللھم أنت السلام ومنک السلام تبارک یاذالجلال والاکرام ، اللھم اغفرلناذنوبناواسرافنافی امرنا، وثبت اقدامناوانصرعلی القوم الکافرین ، ربنااٰتنافی الدنیاحسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقناعذاب النار، ربناتقبل منناانک انت السمیع العلیم ، وتب علیناانک انت التواب الرحیم ، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیرخلقہ محمدوعلی آلہ واصحابہ اجمعین .

☆☆☆

اصلاح کا کام اپنے گھر سے شروع کریں

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین امابعد!

اعوذباللہ من الشطین الرجیم ، بسم اللہ الرحمن الرحیم، یاایھاالذین آمنواقواأنفسکم وأھلیکم ناراً، وقودھاالناس والحجارۃ .

یاایھاالذین کفروالاتعتذرواالیوم انماتجزون ماکنتم تعملون ، یاایھاالذین آمنواتوبواالی اللہ توبۃ نصوحا، عسیٰ ربکم ان یکفرعنکم سیئاتکم ویدخلکم ...الخ . یوم لایخزی اللہ الذین آمنوانورھم یسعی بین ایدیھموبأیمانھم یقولون ربنا أتمم لنا نورنا . انک علی کل شیء قدیر. صدق اللہ العظیم .

محترم حاضرین ! یہ سورۂ تحریم کی آیتیں یقین جنکی تلاوت کی گئی ہے، سورۂ تحریم کی آغاز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ مذکور ہے،آپ کا معمول گرامی یہ تھا کہ عصر کی نماز کے بعد حضرات امہات المؤمنات کے یہاں تشریف لے جایا کرتے ، ایک دن حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک رہ گئے ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ وہاں پہ انہوں نے شہد کا مشروب پیش کیا ہے ، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا ہے،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس محبت کی

بیناد پر جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ، اور آپ جانتے ہیں کہ جب محبت ہوتی ہے تو ہزار اندیشے پیدا ہوتے ہیں ، اور سوکن یا سوتن کے احوال سے آپ واقف ہیں ۔ کہ عورتوں کا باہم ایک دوسرے کے تعلق سے کتنے اندیشے پیدا کرتے ہیں ،تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تیار کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے آئیں تو یہ کہا جائے کے حضور کچھ بو آرہی ہے آپ کے منہ سے اللہ کے رسول ﷺ فرمائیں نہیں تو یہ کہا جائے کہ حضور آپ نے جو مشروب پیا ہے ، اس مشروب اس ....شہد کا جو چھتہ تھا اس میں مکھیوں نے اس درخت سے چوسا ہے،جس کے اندر بو پیدا ہوتی ہے ۔ یہ بات حضرت سودہؓ نے بھی کہی حضرت حفصہ نے بھی کہی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کہی تو اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کہا کہ اچھا میں نہیں پیؤں گا لیکن کہنا نہیں ان سے ورنہ انہیں تکلیف ہوگی ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوگی ۔لیکن یہ بات آؤٹ ہوگئی ،معلوم ہوگیا تو اللہ کے رسول ﷺ کو احساس ہوا آپ نے کہہ دیا تھا میں نہیں پیؤں گا۔تو اللہ عزوجل نے اس بیناد پر پوری سورۃ نازل فرمائی ’’**یاایھاالنبی لم تحرم ماأحل اللہ لک** ‘‘اے نبی کیوں آپ حرام قرار دے رہے ہیں ،جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے،تو ایک بات یہ سمجھنی چاہیے کہ جو حلال غذائیں ہیں ان کے تعلق سے ہمیں کوئی ایسی قسم نہیں کھانا چاہیے،ہمیں اپنی او پر اس طرح سے فرں نہیں کرنا چاہیے،فرض کرے ہم نہیں کھائیں گے،فرض کرے ہم نہیں اس کو ہاتھ لگائیں گے، اسی طرح فرض کرے کہ ہم فلاں سے نہیں بولیں گے فرض کرے ہم فلاں کے گھر نہیں جائیں گے ، ظاہر ہے کہ رشتے ہیں ، ناطے ہیں ،تعلقات ہیں ،تو تعلقات کی بیناد پر وقتی

کوئی بات ہو وہ تو با سمجھ میں آتی ہے لیکن اپنے اوپر اس کو حرام قرار دینا یہ کسی طرح سے مناسب نہیں ہے، تو یہ اسوہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا جو ایک طرح سے پیش کیا گیا ہے، تا کہ امت کے افراد اس کو سامنے رکھیں ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ کا قرآن پاک کے اندر نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں کہ مجھے بار بار تقاضہ ہوتا تھا کہ میں پوچھوں حضرت عمر سے کہ حضرت ان دو عورتوں سے مراد کون ہے، کہتے ہیں، ایک دفعہ حج کے سفر میں عمر بن الخطاب .... کیلئے گئے جنگل کی طرف اور جب وہاں سے واپس آئے تو میں نے ان کے کیلئے وضو کا پانی رکھا، تا کہ وضو فرمائیں، لہذا میں پانی پیش کر رہا تھا اس وقت میں نے کہا کہ حضور قرآن پاک کے اندر جو دو عورتوں کا تذکرہ ہے وہ کون ہے (**ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما**) یہ کونسی عورتیں ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، اللہ عزوجل نے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ رجوع کرلیں، دل کے اندر میلان پیدا ہو گیا تھا، ’’**فقد صغت قلوبکا**‘‘ اور اگر نہیں مانیں گے اگر اس کے خلاف کرینگی اللہ کے رسول ﷺ کی چاہت اور محبت کے خلاف اگر کوئی بات ہوتی تو یاد رکھیں کہ آپ کے ہم نوا ہمدرد آپ کے بہی خواہ اللہ ہے، اللہ کا آپ کا ہمدرد ہے، ’’فان اللہ ھو مولیٰ‘ بیشک اللہ کا آپ کا مولیٰ ہے، یعنی آپ کا ہمدرد ہے حامی ہے آپ کا بہی خواہ ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں ’’**وصالح المؤمنین**‘‘ اور سارے نیک ایمان والے ہیں (**والملئکۃ بعد ذلک ظھیر**) اور ان سب کے بعد سارے فرشتے جو ہیں وہ آپ کے ہم نوا ہیں معاون ہیں ۔ اور یہ ہی نہیں بلکہ اس بات کی توقع ہے کہ اگر نبی چھوڑ دیں

نبی طلاق دے دیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے بدلے میں ایسی خواتین آپ کو دیں ایسی امہات المومنات آئیں ۔ جو مسلمات ہیں، مؤمنات ہیں، قانتات ہیں، تائبات ہیں، سانحات ہیں، ثیبات ہیں، ’’أبکارا‘‘ فرمانبردار ہیں، حکم بردار ہیں ایمان والے والیاں ہیں، نماز پڑھنے والیاں ہیں، اور بیاہا ہی ہوئی تھی اور بن بیاہا ہی، ہر قسم کی عورتیں ہم اپنے نبی کو دینے کیلئے تیار ہیں ۔

ظاہر یہ آیتیں جب نازل ہوئیں، تو حضرت حفصہ حضرت سودہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہ ایک اثر ہوا ۔ اس کے بعد ساری امت کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا (**یایھا الذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم ناراً**) اس میں نقطہ یہ ہے کہ نبی کے اہل کو اللہ عزوجل نے مخاطب کیا ان کو نہیں چھوڑا گیا تو ہر فرد کے اہل نے تعلق سے اس فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کو نیکی کی طرف متوجہ کرے انسان پر حالات آتے ہیں کبھی کسی قسم کے ہوتے ہیں اور کبھی رسمی ہوتے ہیں اور خاص طور سے ایک چیز جو انسان کے اندر جو بہت بڑی کمزوری ہے اس کی ہے وہ جب اس کے اندر آجاتی ہے تو اس کا اثر منفی ہوتا ہے، سلبی ہوتا ہے، ایجابی اور پازیٹو نہیں ہوتا ہے، ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا تھا جب اس کے وزیر نے سوال کیا تھا کہ حضور وہ اس نے خود کہا تھا تمہیں جو مانگنا ہے مانگ لو ۔ تو وزیر نے حضور مجھے آدھی سلطنت دے دیجئے تو بادشاہ نے کہا کہ تم نے بہت بڑی چیز مانگ لی، خیر میں وعدہ کر چکا ہوں میں دینے کیلئے تیار ہوں لیکن تین شرطیں ہیں، تین سوالات ہیں، اگر اس کے جوابات تم ہمیں دو تو آدھی سلطنت ہم تمہیں دے دیں گے، (۱) ایک یہ کہ سب سے بڑا دھوکہ کیا ہے (۲) سب سے بڑی سچائی کیا ہے (۳) انسان کی سب سے

بڑی کمزوری کیا ہے، بادشاہ نے اس کے ساتھ ساتھ ایک شرط اور رکھ دی کہ ایک مہینہ کی مدت ایک مہینہ کی مدت میں اگر اس کے جوابات مل گئے تو آدھی سلطنت کے تم مالک ہو اور اگر نہیں ملیں تو تمہیں پھانسی دی جائے گی۔اب یہ تلاش میں، اب یہ فکر میں لگ گیا کہ جوابات کیا ہیں۔

ہر فرد کے پاس گیا کسی نے جواب نہیں دیا۔انتیسواں دن تھا اب اسے خطرہ ہوا کہ تیسواں دین آئے تو اس کی جان کے لالے پڑے ہیں، پھانسی دے دی جائیگی، تو جنگل کی طرف بھاگا کم سے کم جان بچ جائے، کہاں میں نے یہ سوال کر کے اپنے آپ کو آفت میں ڈالا۔جنگل کی طرف بھاگا جنگل میں جاتے جاتے اندورن جنگل ایک کوٹیا ملی ایک جھونپڑی ملی اس میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے مراقب تھے گیان دھیان میں تھے ان کے سامنے ان کا کتا بیٹھا ہوا تھا کتے کے سامنے دودھ کا پیالہ تھا وہ پی رہا تھا اور ان صاحب کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا وہ پی رہے تھے، یہ جب وہاں پہنچا تو اس شخص نے کہا ارے تو کون ہے کہاں سے آیا کیوں آیا اس نے کہا حضور میں فلاں ہوں میں وزیر اعظم ہوں اس ملک کا اور یہ تین سوالات ہیں، جن کے جوابات مجھے دیئے ہیں، لیکن میرے پاس جواب نہیں ہیں، اگر آپ اس میں میری کچھ مدد فرمادیں تو بڑی عنایت ہوگی اس نے کہا کیا سوالات ہیں، کہا (۱) ایک یہ ہے کہ سب سے بڑا دھوکہ کیا ہے ۔(۲) دوسرا یہ ہے کہ سب سے بڑی سچائی کیا ہے (۳) تیسرا یہ ہے کہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے، انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت آسان سوالات۔ سب سے بڑا دھوکہ یہ زندگی ہے، یہ زندگی ہے جو ہمیں ملی ہوئی ہے۔اس سے بڑا دھوکہ کچھ نہیں ہے، اسی میں دھوکہ کھا کر انسان اپنے آپ کو تباہ وبرباد کر لیتا ہے **((لایغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد، متاع قلیل**

ثم مأواهم جهنم، وبئس المهاد)) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کافروں کی چلت پھرت ان کا دوردور(..................)) آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے ''متاع قلیل'' یہ بہت معمولی چیز ہے جو برتنے کے لیے اللہ نے پیدا کی، اسمعی لغت کے امام وہ دیہاتوں میں جا کر کے، خانہ بدوشوں میں جا کر کے عربی زبان کے الفاظ کو وہ سنتے تھے، وہ نکلے ہوئے تھے اور پھر وہ نوٹ کرتے تھے، ایک جگہ انہوں نے سنا تلاش میں تھے متاع کا لفظ قرآن پاک استعمال کرتا ہے اس کا مفہوم کیا ہے، صحیح مفہوم کیا ہے، تو ایک خیمہ تھا اس خیمہ میں ایک بچی روٹی پکا رہی تھی۔اس نے اسی اثناء میں دیکھا کہ کتا آیا اور آکر کے صافی جس سے تو اصاف کرتے ہیں، پتیلی اتارتے ہیں وہ لیکر کے بھاگ گیا اور جا کر کے ٹیلہ پر بیٹھ گیا تو اس نے کہا ''**یااماہ جاء القطمیر، اخذالمتاع وتبارک علی الجبل** ''اسمعی سن کے خوش ہو گیا۔اس نے یہ کہا کہ ہم تو ایک متاع کا مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں، ہمیں تین تین الفاظ کے مفہوم معلوم ہوئے معنی معلوم ہوئے، اس نے کہا ''**یااماہ امی امی جاء القطمیر**'' کتا آیا، تو قطمیر کے معنی کتے کے ہوتے ہیں، ''**واخذالمتاع** ''اور صافی لیکر کے گیا تو متاع اس کو کہا ہے اور قرآن پاک ''**قل متاع الدنیاقلیل، زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المنقطره، إلی آخره الآیة، ولک متاع الحیوة الدنیا**'' یہ دنیا کی زندگی میں برتنے والا سامان ہے۔

جس طرح صافی کے ذریعہ صفائی ہوتی ہے، ہماری پتیلی اتر جاتی ہے، ہم صافی مختلف قسم کے استعمال کرتے ہیں، فرش کو صاف کرنے کا بھی صافی ہے ۔دیواروں کو صاف کرنے کے لیے بھی الماری کو صاف کرنے کے لئے بھی اور کیچن کے اندر استعمال کرنے کے لیے بھی۔تو گویا اس دنیا کو اللہ رب العزت

نے جنت کیلئے صافی بنایا ہے۔ جنت تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اس کوصاف ستھرا رکھو اس میں کوئی جالے نہ لگے اس میں گندگی نہ آنے پائے گردوغبار سے اٹنے نہ پائے۔ وہاں تم ابھی تو نہیں پہنچے لیکن تمہارے اعمال پہنچ کر کے اس کو صاف ستھرا کریں۔

لہذا اپنے اعمال سے تم غافل نہ ہو اور اگر تم انہی بھول بھلیوں میں پھنس گئے تو یہ بہت بڑا دھوکہ ہے کہ تم اس متاع کو اصل سمجھنے لگو اور متاع کے ذریعہ جو چیز حاصل کی جارہی ہے اس کو تم لغو اور بیکار سمجھنے لگو تو حضرت اسمعی نے کہا کہ متاع کا مفہوم سمجھ گیا، ''**قطمیر**'' کے معنی بھی سمجھ میں آگئے اور کہا ''**تبارک علی الجبل** '' اور پہاڑ کے اوپر ٹیلہ کے اوپر بیٹھ گیا تبارک یہ لفظ قرآن پاک میں کسی جگہ استعمال ہوا ''**تبارک الذی بیدہ الملک، وھو علی کل شیء قدید** '' بابرکت وہ ذات، بابرک وہ ذات یہ ہم ترجمہ کرتے ہیں۔ لیکن تبارک کے اندر جو ایکشن ہے وہ ہم آپ کو بتاتے ہیں جس کو خاص طور سے اس لفظ نے اہمیت دی، اور اس مفہوم سے جو بچی نے کہا ''تبارک علی الجبل'' آپ جب دیکھتے ہین کوئی شکار کرنے والا جانور جب شکار کرتا ہے، تو اپنے شکار کو فوراً مارتا نہیں ہے، اس کو کھلاتا ہے، چھوڑتا ہے، پھر پکڑتا ہے چھوڑتا ہے پھر پکڑتا ہے، تو اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے ایک ایک ایکشن یہ اس کی نظر ہوتی ہے م، اور اس کو پھر وہ پکڑ لیتا ہے، تو ''تبارک علی الجبل'' وہ سامنے رکھا ہوا تو ''**تبارک الذی بیدہ الملک**'' اللہ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے ''**تبارک الذی بیدہ الملک** '' بابرکت وہ ذات جس کے قبضہ میں یہ پوری سلطنت ہے یہ پورا ملک ہے، تو گویا اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ایک چیز پہ نظر رکھے ہوئے ہیں، ایک چیز بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکتی، اسی مفہوم

کو واضح کرنے کیلئے اسی فکر کو عام کرنے کے لیے اسی احساس کو دلانے کے لیے اللہ نے یہ بھی فرمایا: ''**واحصی کل شیء عدداً** '' ہر چیز پر اللہ نے نمبر نگ کر رکھی ہے تاکہ ایک چیز بھی ادھر سے ادھر نہ ہونے پائے۔ تو متاع تو انہوں نے کہا کہ پہلی چیز یہ سب سے بڑا دھوکہ کیا ہے یہ زندگی ہے۔

اللہ نے زندگی اس زندگی کو جو اخروی زندگی ہے ہمیشہ کی زندگی ہے نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، اس کا اسے مقدمہ بنایا ہے، تمہید بنائی ہے، اسی کو اصل سمجھ لے کتاب خرید کے لے آئے اور صرف تمہید پڑھ لے مقدمہ پڑھ لے۔ اور سمجھے کہ کتاب ہم نے پڑھ لی ہے، تو بات صحیح نہیں ہوگی۔ اس طرح یہ زندگی کو اصل سمجھ لے تو جو اصل زندگی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے بنائی ہے، اس سے غافل ہے تو اس سے بڑا دھوکہ کیا ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا ''**واعلموا إنماالحیوۃ الدنیالعب ولھووزینۃ وتفاخر، إلی آخــــر الآیۃ** '' یہ دنیا کی زندگی کھیل وتماشہ ہے ''لعب ولہو'' لعب کہتے ہیں، بامقصد کھیل کو اور لہو کہتے ہیں، بے مقصد کھیل کو، زندگی کے ایک مرحلہ تک انسان کھیلتا ہے، بچہ کھیلتا ہے، بچیاں کھیلتی ہیں، بے مقصد ہوتا ہے وہ کھلونوں سے کھیلتی ہیں، کوئی مقصد نہیں ہوتا ہے لیکن کھیل ہے، ایک بامقصد ہوتا ہے، فتح وشکست اس کے اندر ہوتی ہے، لیکن وہ سب اس وقت تک جس وقت تک آخری لمحہ جو ہے فتح وشکست کا ہوتا ہے اس وقت تک لطف ہے لذت ہے، اور جہاں وہ ہو گیا پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے، اور جہاں وہ ہو گیا پھر دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، اس کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے، تو فکروں سے خالی نہیں ہے دنیا تو اللہ نے کہا لعب ولہو ابتداء یہ ہے اور پھر زینت وتفاخر شین ہے فخر ہے اور پھر مال کی بہتات اس کی طلب ہے، انہیں رونقوں کو سمجھ لیتا ہے سب کچھ اسی لیے اللہ نے

یہ بھی فرمایا:’’المال والبنون زینة الحیوٰة الدنیا، والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر أملا‘‘ کہ مال اور بیٹے یہ زندگی کی رونقیں ہیں ، رونق ہمیشہ نہیں قائم رہتی شباب پر درخت آتا ہے ، پھل سے لدا ہوا ہوتا ہے ۔ پھول سے لدا ہوا ہوتا ہے، غلے جب پیدا ہوتے ہیں، فصلیں اگتی ہیں ۔ اور یہ سب دیکھ کر کے خوشی ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد پھر وہ سب فتح ہوجاتا ہے تو اس کو یہ سمجھنا کہ ہمیشہ یہ رونق رہے گی زینت یہ نہیں ہے تو’’المال والبنون زینة الحیوٰة الدینا، والباقیات الصالحات خیر عند ربک ’’ عجیب بات ہے ’’والباقیات الصالحات‘‘ کی تفسیر حضرت عبد بن عباس نے جہاں یہ کی ہے کہ تمام تر نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں تو گویا نیکیاں باقی رہنے والی ہیں ، اولاد باقی رہنے وال نہیں مال باقی رہنے والا نہیں ، اور ایک اور اس کا ترجمہ کیا’والباقیات الصالحات ‘‘ بیٹیاں بنون کا تذکرہ ہوا اور بیٹیوں ’’والباقیات الصالحات‘‘ نیک بیٹیاں آپ کے پروردگار کے نزدیک بہتر ہے، یعنی وہ کام آئیں گے، لہذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت جس وقت اس شخص کے بارے میں جس پر جہنم واجب ہوگی اور اس کو جہنم میں جانے کا فیصلہ فرمائیں گے ۔تو اس کی نیک بیٹیاں ہوگی تو وہ آکر کے چمٹ جائیں گے، اپ نے باپ سے اے اللہ !اپنے باپ کو ہم جہنم میں جانے نہیں دیں گے، اپنے باپ کو ہم جہنم میں نہیں جانے دیں گے، بیٹوں کے بارے میں نہیں آیا لیکن بیٹیوں کے بارے میں آیا، تو’’والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر املا‘‘ بدلہ جو ہے بہت بہتر ہے ، اس سے بہتر کیا ہے ، اس سے پہلے میں نے سنایا تھا ایک شخص کے واقعہ کو چھ بیٹیاں اس کی تھیں اور ساتویں دفع اس کی بیوی حمل سے ہے اس نے بیوی کو آ کے دھمکایا کہ اگر اس دفعہ بیٹی پیدا ہوگئی

تو خیریت نہیں ہے، وہ سہمی ڈری رات بھر سوئی نہیں روتی رہی گریہ وزاری کرتی رہی ، اےاللہ! میرا اس میں کیا ہے، اے رب کریم! تیری امانت ہے تو دینے والا ہے ۔ ادھر خواب وہ دیکھتا ہے کہ فرشتے آئے اور کہے کہ تو ایک جہنمی ہے چلو جہنم میں اسے جب لے گئے جہنم کے دروازے پہ تو دیکھا پہلی بیٹی جو بڑی ہے وہ آ کھڑی ہے رہی کہ اپنے باپ کو جہنم میں نہیں ڈالیں گے۔ اور دوسری گیٹ پہ تیسرے گیٹ پہ چوتھے گیٹ پہ یہ سات دروازے جہنم ہیں ، چھ بیٹیاں چھ دروازوں پہ کھڑی ہوئی ملی ، اب ساتویں گیٹ سے اس کو لے جایا جارہا ہے تو پریشان ہے، گھبرایا ہوا ساتویں بیٹی تو ہے نہیں اب تو جہنم میں جانا پڑے گا، اسی گھبراہٹ میں آنکھ کھلی بھی گر کے بیوی کے پاس آیا کہا مجھے معاف کردو بیٹی ہی پیدا ہو ہم تو دعا کرتے ہیں کہ بیٹی ہی پیدا ہو’’والباقیات الصالحات‘‘.

تو سب سے بڑا دھوکہ کہا یہ زندگی ہے، اس کو سمجھو اللہ نے کیوں دیا ہے ۔کسی ذریعہ کو وسیلہ کو حقیقت سمجھ لیا جائے یہ ایک دھوکے کی بات ہے، اور نمبر دو سب سے بڑی سچائی کیا ہے اس نے کہا سب سے بڑی سچائی جو ہے وہ موت ہے، موت کا منکر کوئی نہیں ، چاہے وہ ملحد ہو دھریہ ہو موت کا انکار کوئی نہیں کرتا ہے، سب مانتے ہیں’’إنه لحق الیقین ، فاسبح باسم ربک العظیم ‘‘ وہ حق ہے ، یقینی ہے ، لہذا اپنے پروردگار کی تسبیح کرو، پاکی بیان کرو، اور نمبر تین یہ جو پیالہ دودھ کا ہے جو کتا پی رہا ہے، یہ اگر تم پی لو تو تیسرا جواب تم کو مل جائے گا۔ اب اس پر بڑا اثر تھا کہ کتے کا جھوٹا کیسے پیوں ۔ کتے کا جھوٹا کیسے پیوں، اس نے کہا کہ حضور ایک ہی ہے بتا دیجئے ، کہا نہیں یہ پی لو تو جواب مل جائے گا، یہ پی لو تو جواب مل جائے گا۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا سوچتا رہا۔ اس نے کہا کہ کیا ہے چھپ کے پی لو کون دیکھ رہا ہے، یہاں پہ جنگل میں ہیں، کون کیا کہے گا، چلو پیو لو،

آنکھ بند کر کے پیالہ اٹھایا گھٹا گھٹ پی لیا۔ پینے کے بعد کہا حضور بتائے ، کہا جواب تو ہو گیا جواب ہو گیا کہ تو نے کتے کا جھوٹا دودھ پیا، اس لیے کہ تجھے سلطنت مل جائے ، یہ خودغرض ہے جو انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے ، یہ خودغرضیاں جب آتی ہیں ۔ تو بڑے بڑے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اس کا ہلکا سا اثر ہلکا سا مظاہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس واقعہ کے اندر ہے ۔ تھوڑی سی چیز اللہ نے فوراً کنٹرول کیا اور پھر ''یاایھا الذین آمنوا قوا انفسلم و اھلیکم ناراً'' حکم دیا اس کے بعد یہ آیت آتی ہے ۔ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اپنی اولاد کو اپنی بیٹوں کو اپنے بچوں کو اپنے خادموں کو اپنی باندیوں کو اپنے نوکروں کو اپنے ماتحتوں کو بچاؤ جہنم کی آگ سے ۔ جس آگ پر بڑے تندخو برست طاقتور فرشتے ہیں کہ ان کو تم کسی لالچ میں مبتلا کر کے رشوت دیکر ہاتھ جوڑ کر کے معافی مانگ کر کے ان کو نرم نہیں کر سکتے ہو۔ وہ وہ کرتے ہیں جو اللہ انہیں حکم دیتا ہے۔ ایمان والوں سے یہ باکہی گئی۔ تاکہ کہیں خودغرضیاں نہ آجائیں۔ اور انسان انسان سے ٹکراتا ہے ، باپ بیٹے سے ٹکراتا ہے ، بیوی شوہر سے ٹکراتی ہے ، جہاں خودغرضیاں آتی ہیں ، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم خودغرضیاں دیکھو گے ''اثرۃ'' دیکھو گے ، خودغرضیاں دیکھو گے ، القمی وزیر تھا۔ عباسی آخری خلیفہ کا وزیر القمی ہے ، لیکن خودغرض میں مبتلا ہو گیا ، ہلاکو نے اسے لالچ دیا اور اس نے نہ صرف خلیفہ کو بلایا تھا بلکہ خلیفہ کے تمام تر جو بڑے لوگ تھے۔ سب آگئے تھے۔ ان سے یہ کہا گیا تھا کہ ملنا چاہتا ہے ، ہلاکو خان ، لیکن جب آگئے تو اُلقمی نے کیا کہا اب سب لوگ آگئے ہیں ، سب کو ختم کیا اور خلیفہ

کو القمی نے کہا کہ اس طرح مارے اس طرح مارے کہ خون کا قطرہ زمین پر نہ گرنے پائے تو ایک بورے میں بند کر کے پتھروں سے کچل کچل کر ختم کر دیا گیا۔ کچل کچل کر کے خلیفہ کو ختم کر دیا۔ یہ وہ خودغرضی تھی عباسی سلطنت کے خلاف جو القمی جو شیعہ تھا ، رافضی تھا۔ اس نے کہا تو یہ خودغرضیاں ہیں جو انسان کو تباہ کر دیتی ہیں۔

لہذا تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ، تو اگر نبی کے اہل کو تربیت کی ضرورت ہے ، نبی کے اہل کو خیر خواہی اور ناصحا زانداز میں ان کو بتانے کی ضرورت ہے ، تو پھر ہمیں اور آپ کو کتنی ضرورت ہے اسی سیاق میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے ''یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً'')

لہذا ایک باپ کے لیے بیٹے کی ذمہ داری ہے قلب سلیم ۔ جس کے بغیر اللہ کے حضور میں ہماری نیکیاں قابل قبول نہیں ہوگی ۔ حضرت علامہ الوسیؒ المعانی کے اندر صاف صاف لکھتے ہیں کہ قلب سلیم اس شخص کو حاصل ہوگا ''الذی یرشد ابنہ الحق '' جو اپنے بیٹوں کو حق کی طرف رہنمائی کرتا رہے ، یوں ہی نہ چھوڑے پیدا ہو گیا ، آج ہمارے درمیان میں اگر طبقاتی تقسیم کی جائے تو ایک باپ وہ ہے جس کے یہاں اولاد پیدا ہوتی ہے ، ہو جاتی ہے اس کو کوئی فکر نہیں ہے ۔ نہ اس کی تعلیم کی فکر نہ اس کی تربیت کی فکر صرف یہاں کی بات میں نہیں کرتا ایک عمومی بات کر رہا ہوں ، اور دوسرا طبقہ وہ ہے کہ پیدا ہوا بچہ پیدا ہوا ، بچی پیدا ہوئی فکر تو کر رہا ہے ۔ لیکن فکر اتنی ہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے اس لائق وہ ہو جائے ۔ اگر وہ خونچے لگا رہا ہے ٹھیلے لگا رہا ہے ، چائے بیچ رہا ہے ، تو اتنا ہو کہ اس کا ہاتھ بٹانے لگے ۔ اس کو کھلا پلا سکے ۔ اور پہلے والا تو وہ بھی نہیں کرتا ، ماں بچاری کس طرح خدمت کر کے اس کو جلاتی ہے ، تو ایک طبقہ وہ ہمارے درمیان ایک طبقہ یہ

تیسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے بچوں کی فکر کرتا ہے، تعلیم کی تربیت کرتا ہے، لیکن اس کے پیش نظر یہ دنیا ہے، صرف اس دنیا کے اندر وہ ہائے فائے ہوجائے زندگی ہائے فائے اس کی ہوجائے وہ اچھا ڈاکٹر بن جائے ، اچھا انجینئر بن جائے۔ اچھا اکاونٹ بن جائے ، وکیل بن جائے سیاسی بن جائے ، اچھی تعلیم اس کی ہوجائے، لیکن وہ سب دنیا کے نقشہ میں ساری چیزیں آتی ہیں، یہ تیسرا طبقہ ہے۔

چوتھا طبقہ وہ جو بہت کم ہے۔ اصل وہ ہی ہے کہ اس کے پیش نظر تعلیم کے ساتھ تربیت لیکن وہ صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت کی فکر کے ساتھ بچوں کی تربیت کی فکر کرتا ہے، وہ تینوں طبقے ناکام ہیں، اگر کامیاب ہوگا تو صرف یہ طبقہ ہوگا یہ وہ طبقہ ہے جس کو مخاطب کیا گیا ہے: ’’یایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ ‘‘اس کے برعکس ایک طبقہ وہ ہے جو کفر پر ہے، شرک پر ہے، بدعات پر ہے، خرافات پر ہے، انحرافات پر ہے، زلات پر ہے، لغزشوں پر ہے، ان کو تو کہد یا ’’یایھا الذین کفروا لاتعتذر الیوم ‘‘ کل اللہ کے حضور میں پیش ہونگے، تمہارے بیٹوں نے یہ کیا تمہارے اہل نے یہ کیا تمہارے خاندان نے یہ کیا تم ذمہ دار تھے وہ اس وقت معذرت کریں گے، اللہ تعالیٰ کہے گا عذر ومعذرت آج چلنے والی نہیں، ’’لاتعتذروا الیوم إنما تجزون ما کنتم تعملون ‘‘جو کرکے آئے ہو اس کا بدلہ تم کو ملے گا۔ پھر ایمان والوں کو اللہ نے مخاطب کیا ہے۔ ’’یایھا الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبۃ نصوحا ‘‘ اے ایمان والو! توبہ کرو، رجوع کرو، توبہ کے معنی رجع کے ہیں، رجوع کرنے کے ہیں، یعنی ابھی جو زندگی ادھر ہوگئی تھی سیدھی کرلو، سیدھے راستہ پر آجاؤ ’’توبۃ نصوحا ‘‘ جو گذرا ہوا ہے اس سے یکسر ندامت ہو دل میں کہ یہ بہت بڑی چیز ہم سے ہوگئی اور نہ کرنے کا عزم پیدا ہوجائے، اللہ کے لیے یہ ’’توبۃ نصوحا ‘ ہے ((توبۃ

نصوحا)) اس لیے کہ پاکی کی نیکی کی، نیکی کی جو زندگی اللہ نے دی ہے نیکی کا جو لباس اللہ نے پہنایا تھا اس لباس کو تو نے گناہوں سے تارتار کیا ہے۔ اسے اب جوڑلو، تو نصح کے معنی آتے ہیں پیوندکاری کرنے کے نصح کے معنی آتے ہیں شہد سے موم کو نکالنے کے ’’نصحۃ العسل ‘‘شہد سے موم کو نکال دئے تو شہد خالص ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی ’’نصیحاً ‘‘ اپنے عمل کو خالص کرلینے کے آتے ہیں۔ ’’نصحۃ الثوب ‘‘ اسکے معنی ہیں کپڑے میں پیوند لگانے کے ہیں، پھٹ گیا ہے کپڑا اس کو سل لیا جائے، لہذا اپنے اعمال کے اندر جو پھٹن ہوگئی ہے اس کو درست کرلیا جائے ’’توبۃ النصوحا ‘ وہ توبہ کہ ہم برائی سے یکسر ہٹنے کی کوشش کریں اور پشیمانی ہمارے اندر پیدا ہوجائے تو اللہ کہتا ہے: ’’یایھا الذین آمنوا توبوا إلی اللہ توبۃ نصوحا ‘ تو پھر کیا ہوگا توبتِ نصوح کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ نے مایوس نہیں کیا ہے یہ بشارت ہے، لہذا اللہ فرماتا ہے: ’’عسیٰ ان یکفر عنکم سیئاتکم ‘‘’’تمہارے گناہ سب معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے ’’عسیٰ ان یکفر عنکم سیئاتکم ‘ باغات میں جنت میں اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا اور وہ دن ’’یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ ‘‘ نبی کو اللہ رسوا نہیں کرے گا، ایمان والوں کو اللہ رسوا نہیں کرے گا، اور ان کے آگے آگے نور ہوگا، داہنے نور ہوگا، باہنے نور ہوگا، (یعنی دائیں بائیں نور ہوگا) سورۂ حدید کے اندر اللہ نے فرمایا: ’’یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم بین أیدیھم وبأیمانھم بشریٰ کم الیوم ... الی آخر الآیۃ‘‘ وہ دن بھی آپ دیکھیں گے، اس دن آپ دیکھیں گے، ایمان والے مرد ایمان والی عورتیں ان کے آگے آگے ان کا نور ان کی روشنی ہوگی۔ دائیں بائیں روشنی ہوگی اور منافقین کا نور پل صراط پہنچتے ہی بجھ جائے گا۔ وہ ایمان والوں

سے کہیں گے رکو رکو ہمیں بھی ذرا سا اپنا نور دے دو وہ کہیں گے پیچھے جاؤ، جہاں سے تمہارا نور چھوٹ گیا وہاں سے لیکر کے آؤ۔ وہ نور ایمان کا وہ نور تربیت کا وہ نور نیکی کا وہ نور اخلاص کا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس پل صراط پر جہاں کوئی نور نہیں ہوگا اس تاریکی میں اس نور کے ذریعہ ہمیں پار کرنے والے بنائیں۔

تو ''**یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورهم بین ایدیهم وبأیمانهم بشری کم الیوم ، الی آخر الآیة**'' اے اللہ! ہمارے یہ نور بجھ نہ جائے راستے میں اخیر تک قائم رہے دعا کریں۔ ''**ربنا اتمم لنا نورنا**'' .

اللہ رب العزت نے اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ کیا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ کیا۔ کہ بیویاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو شوہروں کی بات نہیں مانتی ہیں، اور اس کی بنیاد پر اپنی زندگی کے انوار کو وہ ختم کردیتی ہے، جس طرح نوح علیہ السلام کی بیوی نے ختم کیا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے ختم کیا، حضرت سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں آتا ہے ان کی بیوی بہت منہ چڑی تھی گلدستہ انہوں نے لکھی بوستہ انہوں نے لکھی اخلاق کو سنوارنے کے سارے اعمال کیے لیکن بیوی کی فکر کرتے رہے لیکن نہیں ہو پایا۔ ایک روز کچھ احباب آگئے ان کے دوست آگئے گھر میں جا کے کہا کہ کچھ تیار کردو میرے احباب آئے ہیں، دوست آئے ہیں تو غصہ میں انہوں نے ہانڈی اٹھائی اور سر پہ ماردی، شیخ سعدی کے گلے میں ہانڈی آکر پھنس گئی مٹی کی ہانڈی تھی، لوہے کی ہوتی تو سر ہی پھٹ جاتا ہے، مٹی کی ہانڈی تھی تو سر پر پڑی تو پھوٹ کر کے گلے میں آگئی۔ باہر نکلے دوستوں نے کہا ارے یہ کیا ہوا، انہوں نے کہا کہ حضور کی سنت نبھا رہے ہیں، سب کچھ ہے لیکن بہرکیف ((**النکاح**

من سنتی)) اس سنت کو نبھا رہے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک نبھاتے رہے طلاق نہیں دی ، حضرت لوط علیہ السلام زندگی بھر نبھاتے رہے طلاق نہیں دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ((**ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن**)) اللہ رب العزت کا وعدہ تھا لیکن حضور نے طلاق نہیں دی۔

لہذا آج ہمیں بھی یہ اسوہ اختیار کرنا چاہیے، اہل کی فکر کرنی چاہیے، اولاد کی فکر کرنی چاہیے، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہماری ہے، صرف ہم اپنے آپ کو نہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں ''قوا انفسکم'' بات یہ سمجھ میں آتی ہے اپنے آپ کو بچاؤ، جہنم سے مطلب ہم نیکی کریں، برائی سے بچیں، لیکن اہل کو ہم کیسے بچائیں، یہ اہل کو کیسے بچائیں، اللہ کے نبی نے فرمایا عمر جن چیزوں سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے رکنے کا حکم دیا ہے، ان چیزوں سے اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو بھی روکنے کی کوشش کریں۔ یہ ہے اس طرح سے بچاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی ہم سب کے اندر صلاحیت پیدا فرمائے۔ زمانہ بڑا بے مروت ہے، زمانہ اس کمزوری سے بڑا فائدہ اٹھاتا ہے جو ہمارے اندر ہے، وہ خود غرضی والی کمزوری ہے ، وہ گھر کے اندر بھی ہے باہر بھی ہے، ملازمت میں بھی ہے کارخانہ میں بھی ہے، ہر جگہ اس کا عمل دخل ہے، اللہ اس کمزوری سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

تأثرات

مولانا شرف عالم صاحب قاسمی

(بانی وسرپرست المعہد الاسلامی العربی)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم أما بعد

ہر زمانے نئے اور پرانے میں تقریر دلپزیر کی ضرورت اہمیت نافعیت افادیت اور چاہت رہی ہے اور ہے، نیز تا قیامت رہے گی، چانچہ فرمانِ نبوی و بیانِ مصطفوی ہے: ان من البیان لسحرا یعنی ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے دی ہے یہ خبر کہ کچھ تقریروں میں ہوتا ہے جادو کی سا ہوتا ہے اثر۔ حضرت جعفر طیار کی تقریر دلپزیر نے نازک حالات ونامساعد خیالات کا یکسر رخ موڑ کر رکھ دیا اور باطل کو ہر اعتبار سے توڑ دیا، جس کی وجہ سے نجاشی شاہِ حبش جن کا دل ہوا باغ باغ اور روشن ہوا دماغ اور ہر حقیقت کا ملا ان کو سراغ، اب نجاشی نے حالات سے دوچار، مصیبت میں گرفتار، اور الجھن میں شکار اور مسلمانوں سے کیا حد درجہ پیار اور قریشِ مکہ ہر طرح سے ہوگئے لاچار۔

زیر نظر کتاب دلِ دردمند، فکرِ بلند وزبانِ ہوش مند کے حامل، عظیم و قدیم عربی ادبی تاریخی وتحقیقی ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا کے ممتاز و مایہ ناز استاذ اور محبوب بہت ہی خوب مقرر مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا خالد ندوی غازی پوری زید مجدہ کی نایاب مگر ہر اعتبار سے کامیاب عالم کو کرنے والی سیراب وفیضیاب، تقاریر کا پُر بہار وخوشبودار گلدستہ اور قیمتی ومفید مجموعہ ہے، جو ایمان وایقان افروز بھی ہے، سبق آموز بھی ہے باطل سوز بھی ہے اور لطف اندوز

بھی ہے جس میں علم وعمل کی روشنی بھی ہے، قرآن وحدیث کی چاندنی بھی ہے، شعر وادب کی چاشنی بھی ہے اور زبان وبیان کی شیرینی بھی ہے اور خود مقرر محترم اس شعر کے مصداق ہیں:

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ بھی ہے
آنکھوں میں سرورِ عشق بھی ہے چہرہ پہ یقیں کا نور بھی ہے

جس کی وجہ سے تقریر کا یہ مجموعہ عمل پر ابھارے گا، عقیدہ کو سدھارے گا، اور ذوقِ عبادت وشوقِ تلاوت کو نکھارے گا۔ امید کہ کتاب لی جائے گی ہاتھوں ہاتھ اور پڑھی جائے گی دن ورات۔ کتاب کے مرتب میرے مخلص ومشفق وبزرگ دوست حضرت مولانا عبدالصمد ندوی قاضی (استاذ مدرسہ تنویر الاسلام مرڈیشور و شہرِ مرڈیشور کے قاضی، اللہ ہم سب سے ہو راضی) کے فرزندِ ارجمند مولانا محمد انس قاضی ندوی حفظہ اللہ تمام اہلِ علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق اور دلی مبارکباد کے ہیں لائق، اللہ ان کو بنائے ہر اعتبار سے فائق اور تحقیق وتصنیف وترتیب وتألیف کے ہمیشہ رہیں شائق، اس نوخیز مگر ولولہ انگیز عالمِ دین کا یہ مثالی کام ہے باعثِ ایوارڈ وانعام۔

ان شاء اللہ اسلامک اکیڈمی مرڈیشور بھٹکل بزمِ ثقافت ونشریات اسلام مظفر پور بہار اور خاص طور پر آل انڈیا المعہد الاسلامی العربی کی طرف سے ایک شاندار اعزازی وانعامی جلسہ کے ذریعہ اور حضرت مقرر کے ہاتھوں ان کو اعزاز و انعام سے نوازہ جائیگا۔

از: محمد شرف عالم قاسمی

خادم حج عمرہ مکہ ومدینہ ومسقط عمان

بانی المعہد الاسلامی العربی